بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

ماہنامہ

الفرقان

ربوہ

اگست ۱۹۵۸ء

مندرجات

(۱) نئے اسلامی سال کا آغاز

(۲) حضرت امام حسین علیہ السلام کا بلند مقام اور جماعت احمدیہ کا اعتقاد۔

(۳) شذرات:۔
— "قادیانی" تبلیغ اسلام کے لئے حاضر ہیں۔
— احرار کی ناکامیاں۔
— کچھ رازہائے درونِ خانہ میں سے۔ (وغیرہ شذرات)

(۴) زکوٰۃ و صدقات کے متعلق اسلامی احکام کی خصوصیات۔

(۵) خلافت بلافصل کے مستحق۔

(۶) سیدنا احمد جری اللہ و جناب بہاء اللہ

(۷) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات۔

(۸) "داغِ ہجرت" (نظم)

(۹) عیسائیوں کے چند اعتراضات کے جواب۔

(۱۰) کامیابی حاصل کرنے کے چند اہم اصول۔

سالانہ قیمت:۔
پاکستان کیلئے۔ پانچ روپے
بیرونی ممالک کے لئے۔ دس شلنگ

ایڈیٹر:۔
ابوالعطاء جالندھری

الفرقان کا
"عیسائیت نمبر"

پاکستان میں عیسائی پادری تمام اہلِ اسلام کو عیسائیت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان کے متعدد اخبار و رسالے دن رات اِس کام میں مصروف ہیں۔

مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ عیسائی صاحبان کو اسلام کے فضائل بتا کر اسلام قبول کرنے کیلئے دعوت دیں۔ یہ بات تبھی ممکن ہے جب مسلمانوں کو عیسائیوں کے اختلافی مسائل کا علم ہو اور وہ جانتے ہوں کہ ایک عیسائی کو اسلام کی طرف کس طرح دعوت دی جا سکتی ہے۔

ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس انسانی اور دینی فرض کی ادائیگی کیلئے رسالہ الفرقان کا ایک خاص اور جامع نمبر شائع کریں جس میں اسلام اور عیسائیت کا مفصل موازنہ ہو۔ اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی جائے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عیسائی حکومت کے زمانہ میں اس علاقہ میں بہت سے کہلانے والے مسلمان محض دنیوی آرام کی خاطر اور حکومت یا عہدوں کے لالچ کی وجہ سے اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر چکے ہیں ایسے لوگوں کو اب جبکہ پاکستان بن چکا ہے دلائل و براہین سے، اخلاق اور محبت سے اسلام کی حقانیت سمجھا کر اسلام میں واپس لایا جا سکتا ہے۔

اہلِ قلم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اس خاص نمبر کے لئے اپنے مقالات جلد دفتر رسالہ الفرقان ربوہ میں بھیج کر ممنون فرمائیں۔ عیسائیوں کے جملہ عقائد پر اجمالی اور تفصیلی بحث، قرآن مجید کی انجیل پر فضیلت، بانیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بائیبل کی پیشگوئیاں، اسلام کی عیسائیت پر فضیلت، الوہیت مسیح اور کفارہ کی تردید، صلیبی موت کے بارے میں عیسائیت کا غلط عقیدہ، عالمگیر مشکلات کے لئے صحیح حل اسلام پیش کرتا ہے یا عیسائیت؟ وغیرہ عنوانوں پر ٹھوس اور جامع مضامین کی ضرورت ہے۔ یہ نمبر عام حجم سے دو چند ہوگا۔ رسالہ الفرقان کے سو صفحات پر یہ نمبر شائع ہوگا۔ ماہ ستمبر اور اکتوبر ۱۹۵۸ء کا رسالہ اکٹھا ہوگا اور پانچ اکتوبر کو شائع ہوگا انشاء اللہ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ خاص نمبر عیسائی احباب کو ہاتھوں ہاتھ تقسیم کیا جائے۔

(مینیجر الفرقان ربوہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نائب ایڈیٹرز:- (۱) مسعود احمد دہلوی بی-اے (۲) خورشید احمد شاد ایچ-اے	اگست ۱۹۵۸ء	الفرقان ربوہ - پاکستان	محرم الحرام ۱۳۷۸ھ	جلد ۸ شمارہ ۸

نئے اسلامی سال کا آغاز

ہجرتِ نبوی - بے مثال اخلاق کے اظہار کا موقعہ

اسلام توحید کا علمبردار ہے۔ اس کی تعلیمات کے کسی حصہ میں بھی شرک کا شائبہ موجود نہیں۔ اسلامی قمری سال کی ابتدا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت یا وفات پر نہیں رکھی گئی۔ جیسا کہ اور بعض مذہبی گروہوں کے ہاں طریق ہے بلکہ اسلام میں سال کی نسبت ہجرت نبوی کی طرف کی گئی ہے۔ تا مسلمان قوم میں کبھی شرک پیدا نہ ہو اور وہ ہجرت کے نصب العین کو ہمیشہ مدنظر رکھے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور پُرنور مکہ معظمہ میں ہوا تھا۔ صنادید قریش اپنی بت پرستی کی حمایت میں اس قدر برافروختہ ہوئے - اور ابتدائی کمزور مسلمانوں پر اس قدر مظالم ڈھائے کہ ان مقدسوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مکہ کی سرزمین سے کسی دوسرے ملک یا شہر کی طرف ہجرت کر جائیں۔ پہلے مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت سے مدینہ طیبہ منتقل دار الہجرت اور مرکز اشاعتِ اسلام قرار دیا گیا۔ اور مسلمان اجتماعی اور انفرادی رنگ میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی یہ سکیم نہایت حکیمانہ انداز میں نافذ فرمائی۔

ہجرت کے سارے مراحل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثال اخلاق اور آپ کی بے نظیر قوتِ قدسیہ پر دلالت کر رہے ہیں۔ ہجرت اپنی ذات میں قریش مکہ کی دلیل و برہان سے کامل عاجزی پر دلیل ہے ورنہ انہیں سیف و سنان کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سو جان سے فدا تھے اور اپنے آپ کو ہزار ہا خطرات میں ڈال کر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محفوظ مقام پر پہنچانا چاہتے تھے۔ مگر وہ پیارا اور مقدس نبیؐ جسے اپنے صحابہؓ سے بے انتہا پیار تھا کب برداشت کر سکتا تھا کہ صحابہؓ کو مصیبت کے منہ میں چھوڑ کر

تنہا بہ محفوظ مقام پر پہنچ جائے اسلئے حضورؐ نے یہی سکیم بنائی کہ صحابہؓ ایک ایک دو دو کرکے پہلے مدینہ پہنچ جائیں اور جب تک سب صحابہؓ محفوظ نہ ہوجائیں سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ مکہ کے نرغہ میں ہی رہیں۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقِ عمل کتنا مؤثر اور دلکش ہے اس کا کچھ اندازہ آپ ایک مشہور غیر مسلم مستشرق - stanley lane-poole کے الفاظ ذیل سے لگا سکتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"There were but three believers now remaining in Mekka. these were Mohammed, Abu-bekr, and Alee. Like the captain of a sinking ship, the Prophet would not leave till the crew were safe.

اب مکہ میں صرف تین مومن باقی رہ گئے تھے یعنی آنحضرتؐ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ۔ تاہم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ڈوبنے والے جہاز کے کپتان کی طرح مکہ چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے جب تک جہاز کے سب افراد عملہ یعنی حضورؐ کے صحابہ محفوظ ساحل پر نہ پہنچ جاتے۔"

کتنا پاکیزہ تاثر ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اور آپؐ کے کامل توکل کا کتنا شاندار نظارہ ہے۔

پھر غارِ ثور میں جبکہ خون کے پیاسے دشمن غار کے منہ تک پہنچ گئے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اکیلے آپؐ کے ساتھ تھے آپؐ کا انہیں لا تحزن ان اللہ معنا فرمانا یقین و ایمان کا وہ منظر ہے جسے انسانی آنکھ اور انسانی کان نے اولین و آخرین میں نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا ہے اور نہ آئندہ ایسا ہونا ممکن نظر آتا ہے ـــــ مدینہ پہنچنے پر تبلیوں کے سرتاج صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح توحید کی اشاعت اور بنی نوع انسان کی بہبودی میں سالہا سال تک خونِ جگر کھایا اور ہر قسم کی قربانی پیش کی وہ خود ایک غیر معمولی واقعات کا درخشندہ تسلسل ہے۔ بہرحال ہجرت کے نتیجہ میں شجرِ اسلام کو چاردانگِ عالم میں پھیلنے کا موقعہ ملا اور خدا کے نور سے ساری زمین جگمگا اٹھی۔ ہجرت کو اشاعتِ اسلام کی بنا پر ہی اسلامی سال کی بنیاد قرار دیا گیا ہے اور اسلامی سن ہجرت سے شروع ہوا۔ ہر سال یکم محرم الحرام کا چاند مسلمانوں کو توحید کا سبق دیتا ہے۔ انہیں بتاتا ہے کہ حوادث اور مشکلات سے گھبرائیں نہیں۔ ان پر ماتم اور واویلا شروع نہ کر دیں بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق پوری ہمت، پوری جرأت اور کامل حوصلہ اور کامل یقین اور توکل سے مصائب کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام کے پھیلانے کے لئے یہاں اور وہاں مرکز بنائیں اور خدا کے نام کو بلند کرنا اپنا نصب العین قرار دے کر سر دھڑ کی بازی لگا دیں اور یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ کبھی پہلے اپنے صادق بندوں کو ضائع کیا ہے اور نہ وہ کبھی آئندہ ایسا کرے گا۔ بلکہ ؏

جیتیں گے صادق آخر حق کا مزا یہی ہے

اے خدا! امتِ مسلمہ کے لیے نیا سال مبارک ہو اور وہ دین کے لئے جدوجہد کو اپنا نصب العین قرار دے لے۔ آمین ❊

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بلند مقام اور جماعت احمدیہ کا اعتقاد

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السّلام کے پاکیزہ الفاظ میں

۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۱ ہجری کو کربلا میں سید الشہداء علیہ السلام نے حق کی تائید میں جام شہادت نوش فرمایا۔ کربلا میں یزیدی افواج کی طرف سے جو مظالم خاندانِ مصطفوی پر کیے گئے وہ ہر دردمند مسلمان کے لئے سیاہ ناک حادثہ ہیں۔ اس واقعہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا درخشندہ مقام ہمیشہ کیلئے نمایاں کر دیا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اس ضمن میں ایک خاص مطبوعہ اعلان میں شائع فرمایا ہے کہ:-

"میں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔ مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال اُن کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں۔ اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دُور تر لے جاتے ہیں۔ لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دُنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا اور بلا شبہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلا شبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے۔ اور اس امام کا تقویٰ اور محبت اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم

کی ہدایت کی اقتدا کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہوگیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے! اور کامیاب ہوگیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبتِ الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کیساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو انہی میں سے ہے۔ دُنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دُنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی۔ کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دُنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے۔ اور جو شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف ان کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلشانہٗ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ جو شخص مجھے بُرا کہتا ہے یا لعن طعن کرتا ہے۔ اسکے عوض میں کسی برگزیدہ اور محبوبِ الٰہی کی نسبت شوخی کا لفظ زبان پر لانا سخت معصیت ہے۔ ایسے موقعہ پر درگذر کرنا اور نادان دشمن کے حق میں دعا کرنا بہتر ہے کیونکہ اگر وہ لوگ مجھے جانتے کہ میں کس کی طرف سے ہوں تو ہرگز بُرا نہ کہتے۔"

([illegible] ۱۹۰[illegible]ء)

شذرات

(۱) "قادیانی" تبلیغ اسلام کیلئے حاضر ہیں!

مولانا عبدالماجد صاحب مدیر "صدق" لکھنؤ نے ایک دردمند پاکستانی مسلمان کا خط شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:-

"بدقسمتی سے ہمارے ملک میں کسی بھی مذہبی ادارے کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہوئی۔ سب کے سب انتخابات لڑنے کے مشغلہ میں مصروف ہیں۔ جن مقامات پر گرجے نہیں تھے وہاں اب گرجے بن گئے ہیں بلکہ بڑے بڑے مشن کھڑے ہو گئے ہیں۔ زیادہ تر روپیہ امریکنوں کا ہی صرف ہو رہا ہے۔ جہاں مسلمانوں کو اپنے متعلق اور بھی بہت سی خوش فہمیاں ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان خواہ کچھ بھی ہو جائے اپنا مذہب نہیں بدلتا۔ مگر اس حقیقت کو کیا کہیئے کہ اپنے دیکھتے دیکھتے کئی ایک رائٹ سراج الدین، جوشوا فضل الدین، پروفیسر اسمٰعیل، ظفر اقبال ظفر پیدا ہو گئے ہیں ــــ آخر کیوں؟

نہ معلوم مودودی کیا ہوئے اور قادیانی کہاں گئے؟ جہاں اپنی ہی تبلیغی جماعتوں کا یہ حال ہو وہاں غیروں کا کیا گلہ! یہ لوگ سرمایہ اکٹھا کرتے ہیں تو انتخاب لڑنے کے لئے۔ یا للعجب۔

اس وقت یہ تلخ حقیقت ان لوگوں تک آپ کے توسط سے پہنچانا مقصود ہے شاید قلب کے کسی کونے سے اسلام کا درد ابھر آئے۔"

(۱۰ر جولائی ۱۹۵۸ء)

ہمارا جواب یہ ہے کہ اور کسی جماعت کی تو ہم ضمانت نہیں لے سکتے لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم محض تبلیغی جماعت ہیں اور اکناف عالم میں اسلام کے نام کو بلند کرنا اور اس کی طرف سے مدافعت کرنا ہمارا نصب العین ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہے۔ وہ دُور دراز کے علاقوں میں بھی کفر کا کامیاب مقابلہ کر رہی ہے اور ہندوستان میں بھی آریہ تحریک کا پورا مقابلہ کیا ہے اور اب بھی کر رہی ہے۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ "صدق جدید" ۱۰ر جولائی میں یہ چٹھی طبع ہوتی ہے اور ۲۵ر جولائی کے الفضل میں حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ کا مری میں مورخہ ۱۱ر جولائی کو دیا ہوا خطبہ جمعہ شائع ہوا ہے جس میں آپ نے جماعت کو پاکستان میں بھی عیسائیت کو کامل شکست دینے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے:-

"جماعت کے سب دوستوں کو چاہیئے

کہ وہ اپنی کوشش اور جدّ و جہد اور نیک نمونہ کے ذریعہ سے عیسائیت کو شکست دینے کی کوشش کریں۔ یہ مت سمجھو کہ عیسائیت تو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے ہم اس کو شکست دینے میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ آج ہی میں قرآن پڑھ رہا تھا کہ مجھے اس میں یہ پیشگوئی نظر آئی کہ عیسائیت آخر شکست کھائیگی۔ اور وہ دنیا سے مٹادی جائے گی۔ پس عیسائیت کی ظاہری ترقی دیکھ کر مت گھبراؤ اللہ تعالیٰ اسلام کی ترقی کے سامان پیدا فرمائیگا اور کفر کو شکست دے گا۔"

(الفضل ۲۵ جولائی ۱۹۵۸ء)

پس ہم "صدق جدید" کے محترم ایڈیٹر صاحب اور ان کے واسطہ سے ان کے فاضل نامہ نگار اور دیگر دردمند مسلمانوں کو یقین دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب جماعت احمدیہ خاص طور پر ان ملکوں میں عیسائیت کے مذہبی مقابلہ کے لئے میدان میں آرہی ہے۔ آپ حضرات بھی اسلام کی اس فوج کے ساتھ پورے طور پر تعاون فرما کر مستحق ثواب ہوں۔

۲۔ احرار کی ناکامیاں۔

ایڈیٹر صاحب شیعہ اخبار "صداقت" لکھتے ہیں:-

"احرار کی تحریک ناکامیوں سے پُر ہے۔ دور جانے کی کیا ضرورت۔ ختم نبوت کا تحفظ آپکے سامنے ہے ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ربوہ موجود، اس کے کالج اور سکول موجود، پریس، اخبار اور مبلغ موجود، اُن کی کتابیں موجود، اُن کا عقیدہ اجراء نبوّت موجود، جب باطل (؟) کے مقابلہ میں حال یہ رہا ہے تو حق کو مٹانے والے آپ کون؟ ؎

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا"

(صداقت گوجرہ ۲۰ جون ۱۹۵۸ء)

ہمارے نزدیک احرار کی ناکامیوں کی تاریخ کا معاملہ تو ظاہر و عیاں ہے مگر "ختم نبوت" نامی تحریک میں تو شیعہ اور اہل حدیث بلکہ کل بہتّر فرقے احمدیت کے مٹانے کے لئے ایک ہو گئے تھے۔ اس تحریک کی ناکامی کو بے چارے احراریوں کے نامۂ اعمال سے مخصوص قرار دینا درست نہیں۔

۳۔ کچھ رازہائے درون خانہ میں سے

جناب منظر علی صاحب شمسی سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ مولوی نور الحسن صاحب مدیر دعوت کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"حضرت امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب جو ساری زندگی بیگم شاہنواز کو امّ المؤمنین اور سر سکندر حیات خان، سر فضل حسین اور ملک فیروز خان نون کو امیر المؤمنین کہہ کر ان کا مذاق اڑاتے رہے وہ بھی اسی طرح آپ کا نشانہ بن سکتے ہیں کہ نہیں؟ ذرا واضح اعلان کیجئے کہ امیر شریعت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ رہا کسی کو ری پبلکن کی نمک حلالی کا طعنہ دینا

"میں تو ایسی کمائی کو ہی حرام سمجھتا ہوں مگر کیا کیا جائے جب میں دیکھتا ہوں کہ بعض جبرئیل کا لباس پہنے ہوئے حکومت کی طرف سے وظیفہ لیکر ختم نبوت میں شامل ہوئے اور پھر اندر بیٹھ کر نمک حلالی کی اور باہر جاکر ربوہ کے خزانہ عامرہ سے فیضیاب ہو کر اپنی محبت نبوت کا ثبوت دیا۔ وہ اگر کسی کو کوئی طعنہ دے تو وہ حق بجانب ہے۔ آئینہ سامنے ہوتا ہے۔" (صداقت گوجرہ ۵ اپریل ۵۸ء)

الفرقان۔ ہم یہ اقتباس بلا تبصرہ شائع کر رہے ہیں۔

۴۔ بریلوی، اہلحدیثوں اور شیعوں کے قیامت خیز عقائد!

مظفر علی صاحب شمسی نے لکھا ہے کہ:۔

"بریلویوں، اہلحدیثوں اور شیعوں کی کتب میں جو باتیں اور عقائد ایکدوسرے کے متعلق درج ہیں۔ اگر وہ برسرِ عام بیان کئے جائیں تو قیامت آجائے مگر یہ سب چیزیں اپنے اپنے مقام پر ہیں۔" (اخبار صداقت ۵ اپریل ۵۸ء)

ان حالات میں ان فرقوں میں اتحاد کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ دراصل ہر فرقے کے علماء اپنے عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے اس قسم کی باتیں ایک دوسرے کے خلاف کہتے اور لکھتے ہیں۔ جب تک کامل اصلاح ہو کر دل صاف نہ ہو جائیں یہی حال رہیگا۔ اصل علاج یہ ہے کہ آیت قرآنی لاَ اِکْرَاہَ فِی الدِّین پر عمل پیرا ہو کر ہر ایک دلیل و برہان کے ساتھ اپنے عقائد کو ثابت کرے اور کسی قسم کی دلآزاری نہ کرے۔

۵۔ دوسرے فرقوں کے بزرگوں کا احترام

اس سال محرم الحرام کے موقع پر یکصد شیعہ و سُنی علماء کے دستخطوں سے "اتحاد بین المسلمین کی ضرورت" کے لئے "متفقہ اپیل" شائع ہوئی ہے حکومت مغربی پاکستان اس کارنامہ کے لئے مستحق مبارکباد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس سال اس موقعہ پر کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر علماء نیت کر لیں تو عوام کو فتنہ و فساد سے روکا جا سکتا ہے اور اگر ان لوگوں کی نیت اچھی نہ ہو تو حکومت کے انتظامات کے باوجود فساد ہو جایا کرتا ہے جیسا کہ گزشتہ سالوں کا تجربہ بتا رہا ہے۔ اس "متفقہ اپیل" میں جہاں علماء نے لوگوں کو پُرامن رہنے کی تلقین کی ہے وہاں سب نے اپنا متفقہ عقیدہ ان الفاظ میں درج کیا ہے کہ:۔

"ہم کسی فرقہ کے کسی بزرگ کو سب وشتم کرنا اخلاقاً و مذہباً حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں۔"

کیسا سنہری اور زرین اصل ہے اور کس قدر اچھی اخلاقی تعلیم ہے۔ یہ اصول دستخط کنندگان صرف باہمی استعمال نہ کریں بلکہ اس کو ملک کی امن وسلامتی کے لئے وسیع کریں اور تمام اہلِ مذاہب اور جملہ فرقوں کے معاملات کے لئے بھی اپنائیں۔ کیونکہ یہ تو نہایت ہی غیر معقول اور گھناؤنی بات ہے کہ شیعہ سُنیوں کے مقابلہ میں ان کے بزرگوں کو سب وشتم کرنا حرام سمجھیں۔ مگر باہمی شیعہ فرقوں کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہا کریں۔ یا سُنی حضرات شیعہ صاحبان کے

مقابلہ میں ان کے بزرگوں کو تو سب و شتم حرام سمجھیں لیکن آپس میں مثلاً دیوبندی اور بریلوی یا اہلحدیث و حنفی یا احمدی و غیر احمدی ایک دوسرے کے بزرگ کا احترام نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت نہ معقول ہے اور نہ مفید اور مؤثر ہے اسلئے ہم درخواست کرتے ہیں کہ اہل علم حضرات اپنے تمام مکالمات اور تحریرات میں ہر جگہ اس اصول کو اپنائیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

یہ مسلک شیعہ اور سنیوں میں بھی ہمیشہ زیر عمل رہنا چاہیئے۔ صرف محرم کی خصوصیت نہیں۔ اور باقی مذاہب اور فرقوں کے اندرونی معاملات میں بھی اس مسلک کو اختیار کرنا لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور علماء نے مستقل طور پر اس رویّہ کو اختیار نہ کیا تو صاف سمجھا جائے گا کہ یہ لوگ صرف حکومت کے رعب اور ڈر سے محرم کے ایام میں اس قسم کی اپیلیں کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ورنہ اندرونی طور پر وہ اس صحیح مسلک پر عمل پیرا نہیں۔

۶۔ حضرت حسنین علیہما السلام و حضرت معاویہؓ

"جب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے صلح مناسب سمجھی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیعت سے دریغ نہیں کیا۔ دیکھو شیعہ کی مشہور و معروف کتاب رجال کشی مطبوعہ بمبئی ص ۷۲۔ جمادی الاول سنہ ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی ہے۔ اور سنہ ۶۰ھ رجب کی پہلی تاریخ کو ان کی وفات ہوئی ہے تو تقریباً ۲۰ برس کا طویل عرصہ گذرا ہے جس میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے کسی قسم کی مخالفت کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ نہ اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسنؓ کے ہوتے ہوئے اور نہ ہی ان کے بعد بلکہ حضرت امیر معاویہؓ کی خدمات اور روظائف کو نہایت خوشی سے قبول کیا۔

اگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ امیر شام سے کوئی کام یا احکام خلاف شرع محمدی دیکھتے تو ضرور مخالفت پر آمادہ ہو جاتے۔ ہاں یزید کے متعلق آپ کا خیال وہ نہ تھا جو حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق تھا۔ یہی وجہ ہے جب مدینہ منورہ میں

زکوٰۃ و صدقات کے متعلق اسلامی احکام کی امتیازی خصوصیات

(از قلم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب)

زکوٰۃ کے تعلق میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ حکومت کے نظام تحصیل کے ماتحت یا کسی جماعتی نظام کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے افراد کو جو سرکاری لگان، ٹیکس یا دیگر چندے دینے پڑتے ہیں ان کی موجودگی میں زکوٰۃ کا محل کونسا باقی رہ جاتا ہے۔ آیا حکومت وغیرہ کو ان کے واجبات ادا کرنے کے بعد افراد پر زکوٰۃ پھر بھی واجب الادا ہوگی؟ اس سوال کے جواب میں اگر ان امتیازات کو سامنے رکھا جائے جن سے یہ فریضۂ زکوٰۃ ممتاز ہے تو مذکورہ بالا سوال کا حل سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جن شرائط کے ساتھ زکوٰۃ اسلام میں جاری کی گئی ہے وہ ایسی خصوصیات ہیں جو صرف اسلامی نظام کے ساتھ مختص ہیں اور حکومتوں کا نظام اس سے قطعاً محروم ہے۔ وہ امتیازات حسب ذیل ہیں:-

(۱) زکوٰۃ و صدقات کے بارے میں اسلامی حکم ان امور میں سے ہے جو عبادات میں شامل ہیں اور جن میں قرب و حصول رضاء الٰہی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

(۲) زکوٰۃ حقوق العباد میں سے واجب الادا تمدنی حق ہے اور اس کی غرض و غایت تزکیۂ نفس اور سوسائٹی سے غربت کو دور کرنا یا بالفاظ دیگر اقتصادی توازن بحال کرنا اور اسے برقرار رکھنا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اس بنیادی غرض و غایت کی بایں الفاظ صراحت ہے۔ تؤخذ من اغنیائهم و ترد الی فقرائهم۔ دولتمندوں سے زکوٰۃ لی جائے اور محتاجوں کو دی جائے۔

(۳) جس اصل کی بناء پر زکوٰۃ قائم کی گئی ہے وہ استفادہ (یعنی فائدہ حاصل کرنے) و افادہ (یعنی فائدہ پہنچانے) میں بہت وسیع ہے۔ کیا بلحاظ مصادر زکوٰۃ کے اور کیا بلحاظ مصارف کے۔ یعنی زکوٰۃ کے اموال حاصل کرنے کی غرض سے اسلام کا نظام نصاب بعض شرائط کے ساتھ تمام اموال پر حاوی و ساری ہے سوائے ان اشیاء کے جو ذاتی استعمال کے لئے ہوں جن کے لئے تصریح کی گئی ہے۔ اسی طرح بلحاظ زکوٰۃ کے مصرف (موقعہ خرچ) کے اس کو بہت بڑی وسعت حاصل ہے۔ اور اس میں کمزور افراد کی اقتصادی حالت کی اصلاح مقدم ہے۔

(۴) نصاب کے تعیین میں افراد کی معاشی ضرورتوں کو مقدم رکھا گیا ہے۔ یعنی افراد کی جو حقیقی ضرورتیں ہیں انہیں مدنظر رکھ کر مختلف قسم کے مال میں ایک استثنائی حد مقرر کی گئی ہے جس پر زکوٰۃ نہیں۔ اور جب اس استثنائی حد سے زیادہ مال ہو تو زکوٰۃ عائد ہوگی۔ اس

استثنائی حد کو نصاب کہتے ہیں۔

(۵) افراد ملت کی اقتصادی اصلاح کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی اعتبارات کو اسلامی نظام صدقہ و زکوٰۃ میں خاص طور پر اہمیت دی گئی ہے۔ اور شریعت کے اس مالی نظام میں انسانی مابہ الامتیاز کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ یعنی ارادہ کی آزادی اور خوشی نفس کیساتھ حکم کی بجا آوری جس میں کسی غیر اللہ کا کوئی دخل نہیں۔ صدقہ و زکوٰۃ دینے میں غیر اللہ کے دباؤ اور خارجی جبر و اکراہ کے لئے گنجائش نہیں۔ یہ خصوصیات مجملاً وہ ہیں جن سے دوسری حکومتوں کا نظام تقریباً محروم ہے۔ ان کے سامنے وہ اخلاقی اور روحانی مقاصد نہیں جو زکوٰۃ و صدقہ میں ملحوظ ہے۔ اور یہ مقصد ایسا اہم ہے کہ اصولی طور پر اس کی فرضیت دائمی ہے۔ اور اگر بالفرض لوگوں میں غربت و احتیاج نہ رہے۔ اور کوئی غریب صدقہ قبول کرنے والا نہ ملے تب بھی ایک صاحب نصاب کو اپنے اموال کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔

امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا امور کو شروع ابواب زکوٰۃ میں بطور تمہید کے واضح کیا ہے۔ اور زکوٰۃ کے متعلق مستند احادیث بیان کرتے ہوئے قدم قدم پر ان مقاصد کے بارے میں توجہ دلائی ہے۔ اور یہ مقاصد اپنی نوعیت و تعین میں ایسے ہیں جو غیر اسلامی حکومتوں کے نظام مالیات سے اسلامی نظام مالیات کو نمایاں طور پر ممتاز کر دیتے ہیں۔

اس تبصرہ سے ظاہر ہے کہ حکومتوں کے نظام میں جو کہ خالصۃً دنیوی اغراض کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا شرطیں اور اغراض نہیں پائی جاتیں اسلئے یہ خیال کرنا کہ چونکہ مالیہ اور ٹیکس وغیرہ دیئے جاتے ہیں محض اس قسم کی ادائیگی کی وجہ سے وہ زکوٰۃ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں درست نہیں۔

البتہ صرف ایک صورت میں جہاں تک ظاہری اموال کا تعلق ہے وہ زکوٰۃ کے ضمن میں محسوب ہو سکتے ہیں۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ انسان اپنی نیت کو درست کرے کیونکہ اعمال کا سارا دارو مدار نیتوں پر ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث ہے۔ الاعمال بالنیات۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لقمہ کو بھی صدقہ قرار دیا ہے جو خاوند اپنی بیوی کے منہ میں حصول رضاء الٰہی کے لئے ڈالتا ہے۔ صدقہ کے معنی ہر وہ کام جو خالصۃً اللہ تعالےٰ کی رضا مندی کے لئے کیا جائے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لا خیر فی کثیر من نجوٰھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس و من یفعل ذٰلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نؤتیہ اجراً عظیماً

(نساء آیت ۱۱۵)

"یعنی ان لوگوں (کے مشوروں) کو مستثنیٰ کر کے جو صدقہ یا نیک بات یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دیتے ہیں ان کے بہت سے مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی) اور جو شخص اللہ کی رضا جوئی کے لئے ایسا کرے گا ہم اسے جلد ہی بہت بڑا اجر دیں گے"

اس آیت کریمہ میں اس امر کی تصریح ہے۔ کہ نیک کام خواہ وہ عام دستور کے مطابق ہی ہو جب اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا جاتا

ہے تو وہ کام نتیجہ اور ثواب کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور قابلِ قدر ہے۔

بخاری کتاب الایمان میں جہاں زکوٰۃ کے حکم کو ارکانِ اسلام میں شامل کیا گیا ہے۔ وہاں احتساباً کا لفظ ہے یعنی رضاءِ الٰہی کی خاطر زکوٰۃ ادا کرنا۔ اور اس تعلق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر نیکی خواہ رائی کے دانہ کے برابر ہو ایمان اور نیت کی برکت کی وجہ سے اس کو بہت بڑی قیمت حاصل ہو جاتی ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری باب ۱۴ : ۲۴) اسلئے جو شخص صدقِ دل سے چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں وہ رکن اسلام کا پابند عند اللہ قرار پائے اس کے لئے یہ راستہ کھلا ہے۔ کہ وہ اپنی نیت درست کرے اور پھر اپنی آمد کا نصاب کی رُو سے جائزہ لے اور دیکھے کہ جو ٹیکس وغیرہ اس کی طرف سے دیئے گئے ہیں اگر واجب الادا زکوٰۃ سے کم ہیں تو باقیماندہ زکوٰۃ اپنے مال پر سال گذرنے پر نکالے۔ اور اگر اس کی طرف سے زیادہ ادا ہوا ہے تو وہ زیادتی اس کی طرف سے بطور صدقہ ہو سکتی ہے۔ یہ فتویٰ جو ہمارے دارالافتاء سے دیا جا چکا ہے اس کا اطلاق ظاہرہ اموال پر ہوتا ہے لیکن اموال باطنہ نقدی، سونا، چاندی وغیرہ اندوختہ کی زکوٰۃ کے بارے میں اس کا فتویٰ یہی ہے کہ انکم ٹیکس کسی صورت میں بھی ان اموال کی زکوٰۃ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ انکم ٹیکس کے باوجود اموال کی زکوٰۃ مقررہ شرائط کے ساتھ صاحب نصاب خود ادا کرے۔ لیکن اسلام نے انفاق فی سبیل اللہ کو زکوٰۃ پر ہی منحصر نہیں رکھا بلکہ طوعی صدقات کا دروازہ بھی کھلا رکھا ہے

دراصل زکوٰۃ کے نظام کا تعلق عام حالات سے ہے۔ استثنائی حالات کی نزاکت کے پیش نظر اسلام نے ایک اور قانون بھی جاری کیا ہے جس کا منشاء انفس کی قربانی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ
لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَ
يُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا
فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ
وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ
مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا
بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ
وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ٥

(توبہ آیت ۱۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو (اس وعدہ کے ساتھ) خرید لیا ہے کہ انکو جنت ملے گی۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑتے ہیں۔ پس (یا تو وہ) اپنے دشمنوں کو مار دیتے ہیں یا خود مارے جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا وعدہ ہے جو اس پر لازم ہے (اور) تورات اور انجیل (میں بھی) بیان کیا گیا ہے اور قرآن میں (بھی) اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہے۔

پس (اے مومنو!) اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے کیا ہے اور یہی وہ بڑی کامیابی ہے (جس کا مومنوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔)

اس قسم کی غیر معمولی قربانی کا ذکر قرآن مجید میں جابجا کیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس قربانی کے بارہ میں وقتاً فوقتاً تاکید فرمائی اور اسوۂ حسنہ پیش کیا اور صحابہ کرامؓ نے بھی اس تعلق میں عظیم الشان قربانی کا نمونہ پیش کیا۔ علمائے اسلام نے بھی اپنی تشریحات میں اسلام کے اس استثنائی قانونِ انفاق کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانہ کے مجدد تھے اور انہیں مجددین امت میں شمار کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ غیر معمولی حوادث کے تدارک کے لئے ضروری ہے کہ علاوہ زکوٰۃ کے انفاق فی سبیل اللہ کا وسیع انتظام کیا جائے کیونکہ زکوٰۃ کا انتظام محدود ہے جو غیر معمولی تمدنی حوادث کو پورا نہیں کر سکتا۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص۴۲)

اور سبیل اللہ کی شرح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ساتواں مصرف جس کا تعلق زکوٰۃ سے ہے اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے۔ جہاد اور اس کے علاوہ تمام ضرورتیں اس میں شامل ہیں۔ جو ملک اور اسلام کی بہبود کے لئے ضروری ہیں۔

قرآن مجید نے سبیل اللہ کی جو وضاحت و شرح فرمائی ہے ان تشریحات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سبیل اللہ کا تعلق درحقیقت اوّل درجہ پر دین اور اس کی حفاظت سے ہے سبیل اللہ کے بالمقابل سبیل الطاغوت کا لفظ وارد ہوا ہے یعنی شیطانی راستے جو انسان کو حدِ اعتدال سے اِدھر اُدھر لے جاتے ہیں اور قرآن مجید میں ایک جگہ سبیل اللہ کے متعلق واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ وہ ہدایت کاملہ ہے جس سے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ
الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ
الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى
وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ
مَصِيْرًا ۝ (ع۱۹۸)

یعنی جو شخص بھی ہدایت کے پوری طرح کھل جانے کے بعد (اس) رسول سے اختلاف ہی کرتا چلا جائے گا۔ اور مومنوں کے طریق کے سوا (کسی اور طریق) پر چلے گا ہم اسے اس چیز کے پیچھے لگا دیں گے۔ جس کے پیچھے وہ پڑا ہوا ہے۔ اور اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

اس آیت سے الھدیٰ کو سبیل المومنین قرار دیا ہے اور اس کامل ہدایت کو دوسری جگہ سبیل اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ
جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ
اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (النحل)

یعنی (اے رسول!) تو (لوگوں کو) حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دے۔ اور جو سب سے اچھا طریقہ ہو اس کے ذریعہ ان سے (ان کے) اختلافات کے متعلق بحث کر۔ تیرا رب ان کو (بھی) جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہوں (سب سے) بہتر جانتا ہے اور ان کو بھی جو ہدایت یافتہ ہیں۔

غرض قرآن مجید کے مطالعہ سے واضح طور پر سبیل اللہ کا مفہوم آشکار ہو جاتا ہے۔ کہ یہ وہ راہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ کے تعلق میں قرآن مجید نے ساتواں مصرف فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے راستہ میں صرف کرنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب دین خطرے میں ہو۔ اور طاغوتی قوتیں اپنے ٹیڑھے راہ کو غالب کرنے کی کوشش میں ہوں اور دین وملت غیر معمولی خطرات میں گھرے ہوں تو پھر شریعت اسلامی کے دوسرے قانون پر عمل ہو گا جو نفس نفیس کی غیر معمولی قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام نے کیا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جس نازک دور سے ہم گذر رہے ہیں۔ اس کے پیش نظر تجدید واحیاءِ ملت کے تعلق میں ایک مسلمان پر مالی ومالی کی قربانی کے لحاظ سے عظیم الشان ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ نازک اور پُرخطر حالات جن کا تعلق عالمگیر اصلاح کے ساتھ ہے بہت بڑے اخراجات کا مطالبہ کرتا ہے جو محض زکوٰۃ یا معمولی چندوں سے پورا نہیں ہو سکتا جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے خطبات میں اس ضرورت کی طرف جماعت کو ہمیشہ توجہ دلاتے رہے ہیں۔ موجودہ نازک حالات میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ حکومت کو دنیوی ضرورت کے لئے جو ٹیکس دیئے جاتے ہیں یا جماعتی ضروریات کے لیے جو تھوڑا بہت چندہ دیا جاتا ہے آیا وہ زکوٰۃ میں محسوب ہوں یا نہ؟ بے شک فتویٰ کے لحاظ سے جہاں تک اموال ظاہرہ کا تعلق ہے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ مگر فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ کا مقام ہے۔ اور موجودہ زمانہ کے پُرخطر حالات کا تقاضا ہے کہ استثنائی قانون پر عمل کیا جائے۔ صحابہ کرام نے قرآن مجید کے احکام کو سمجھ کر جہاں زکوٰۃ وصدقات سے متعلقہ احکام پر عمل کیا وہاں غیر معمولی قانونِ شریعت کا منشاء بھی اپنی اعلیٰ درجہ کی قربانی سے پورا کیا۔

رضاء الٰہی کا پیاسا انسان تو نہ صرف یہ کہ وہ حساب وکتاب کی میزان میں ہی پورا اترتا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ چڑھ کر قربانی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ یقیناً یہ امر مصلحت وقت کے تقاضا کے خلاف ہو گا۔ اگر ہم میں سے کوئی سرکاری ٹیکس یا جماعتی چندہ ادا کرنے کے بعد حساب کرنے بیٹھ جائے کہ زکوٰۃ میں اس کا ادا کردہ ٹیکس یا چندہ کس قدر وضع ہو۔ غیر معمولی حالات کے ماتحت علماء اسلام [illegible] کی

تصریح کی ہے کہ وقتی ضرورتوں کی تعیین اور مصارف زکوٰۃ اور بیت المال کی آمد اور اخراجات کے سوال کا فیصلہ درحقیقت امام وقت سے ہے۔ اس کا فیصلہ اس بارہ میں ناطق ہے۔

خلاصہ یہ کہ عام حالات میں اور قانون ہے اور خاص حالات میں اور۔ ایک سچے مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اعمال کا خود جائزہ لے اور دیکھے کہ آیا دین و ملت غیر معمولی حالات سے دوچار ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو اس وقت اسلام کے غیر معمولی قانون کو مقدم کرتے ہوئے اس کے منشاء کو پورا کرے۔ کیونکہ اگر وقت کی نزاکت غیر محدود اخراجات کا تقاضا کرتی ہے تو مومن کو اس وقت غیر محدود قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ سچے مومن کا تعلق درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جس میں محاسبہ نفس ہی اس کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری دفعہ ان کی بہن حضرت اسماءؓ سے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس طرح گن گن کر تھوڑا تھوڑا خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ اپنی عطاء میں اسی طرح سلوک فرماتا ہے اور آپ نے مال جمع رکھنے یا انفاق فی سبیل اللہ میں تنگ ظرفی برتنے کو ناپسند فرمایا۔

اعلان!

اگر آپ کو ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک رسالہ نہ ملے تو دوبارہ طلب فرما سکتے ہیں۔

(مینیجر)

اب دُنیا اسلام کو صُلح کُل مذہب سمجھتی ہے

بھارت سے ایک سکھ گیانی کا خط

"الفرقان کا پرچہ خلافت راشدہ نمبر ملا بہت بہت شکریہ۔ میں آپ جیسے مہربان دوستوں کا شکریہ کس منہ سے ادا کروں۔ آپ نے جو احسان مجھ پر کئے صرف اتنا ہی کہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ آپ کو دین اسلام (احمدیت) کی خاص خدمت کا جذبہ عطا فرمائے۔ جس محنت سے آپ کام کر رہے ہیں خدا آپ کو تندرستی بخشے۔ سچ پوچھو تو جماعت احمدیہ نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں اسلام کی جو خدمت بیرونی ممالک میں سرانجام دی وہ اپنی مثال خود آپ ہے۔

حضرت مرزا صاحبؑ سے پہلے اسلام کو دنیا نے نہ سمجھا۔ صرف دنیا یہ جانتی تھی کہ اسلام ایک تلوار کا مذہب ہے۔ احمدیت کے پرچار کا پھل ہے کہ دنیا اسلام کو صلح کل مذہب سمجھنے لگی ہے۔ خداوند آپ کو خوش رکھے۔ امید ہے کہ ناچیز کو یاد فرماتے رہیں گے۔"

داس۔ گیانی رویل سنگھ۔ امرگڑھ ضلع برنالہ۔ انڈیا

مینیجر سے خط وکتابت کرتے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں۔ تاکہ تعمیل میں تاخیر نہ واقع ہو۔

(مینیجر)

خلافت بلافصل کے مستحق؟

حضرت ابوبکرؓ ــ یا ــ حضرت علیؓ

(مکرم مولوی فضل الرحمٰن صاحب نعیم مولوی فاضل)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما دعوتُ احداً الی الاسلامِ اِلّا کانت لہٗ عنہ کبوۃ و تردّد ونظر الّا ابا بکر ما عتم عنہ حین ذکرتہ وما تردّد فیہ (ابن ہشام جلد اوّل)

کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ میں نے اس کو اسلام کی طرف بلایا اور اس نے ابتدا میں تردّد اور توقف نہ کیا ہو مگر صرف ابوبکر کہ جب میں نے اس کو دعوۃ اسلام دی تو اس نے بلا تردّد مان لیا۔"

نیز روایت ہے:۔

انّ ابا بکر اوّل من اسلم من الرجال وعلی اوّل من اسلم من الصبیان وخدیجۃ اوّل من اسلمت من النساء۔ (تاریخ الخلفاء)

کہ مردوں میں سے سب سے پہلے ابوبکرؓ اور بچوں میں سب سے پہلے علیؓ اور عورتوں میں سے خدیجہؓ کو سب سے پہلے مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہوا۔"

حضرت ابوبکرؓ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور امداد کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ذیل کے واقعات اس پر گواہ ہیں۔ ایک واقعہ عروہ بن زبیر سے یوں منقول ہے:۔

"قال رأیت عقبۃ ابن ابی معیط جاء الی النبیؐ وھو یصلّی فوضع رداءہ فی عنقہ فخنقہ خنقاً شدیداً فجاء ابوبکر حتّٰی دفعہ عنہ وقال اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم" (بخاری)

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن معیط آیا اور آپ کے گلے میں چادر ڈال کر زور سے کھینچنے لگا۔ اس حالت میں ابوبکر صدیقؓ آپہنچے اور عقبہ کو آپ سے دور کیا اور کہا کیا تم اس بات پر ایک شخص کے قتل کے درپے ہو کہ وہ خدا ہی کو اپنا پروردگار بتاتا ہے اور تمہارے رب کی طرف سے

تمہارے لئے معجزے لیکر آیا ہے "
کسی نے پوچھا کہ یہ کون ہے جو محمدؐ کی خاطر ایسا کر رہا ہے۔ حاضرین نے کہا ھٰذا ابن ابی قحافۃ المجنون کہ یہ دیوانہ ابوبکرؓ ہے۔
استیعاب میں ایک واقعہ یوں مذکور ہے :۔
اسماءؓ بنت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ مشرک مسجد حرام میں بیٹھے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق باتیں کر رہے تھے اتنے میں رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ مشرکین نے آپ سے بتوں کے بارے میں سوالات کئے۔ آپ نے سچ سچ سب باتوں کا جواب دیا۔ اس پر سب کفار آپ سے لپٹ گئے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ کو ایک شخص نے خبر دی کہ اپنے "رفیق" کی خبر لو۔ ابوبکرؓ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ لوگ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہیں۔ اس وقت آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اتقتلون رجلًا ..... کفار اس کے سنتے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ابوبکرؓ پر پل پڑے اور ان کو مارنا شروع کیا۔ اس کے بعد جب ابوبکرؓ گھر آئے تو سر کے بالوں کو جدھر سے ہاتھ لگاتے اُدھر سے ہی وہ اکھڑتے چلے آتے۔ اور وہ یہی کہتے جاتے تھے۔ تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔

ان حالات سے یہ امر عیاں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب اور جہاں رسول پاکؐ کی مدد کی ضرورت پیش آئی بلا چون وچرا اپنے تئیں حضورؐ کی امداد کے لئے پیش کر دیا۔
چنانچہ انہی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کی اسی شیفتگی کا باعث تھا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت میں صرف حضرت ابوبکرؓ کو ہی اپنا مصاحب بنایا۔ چنانچہ روایت ہے :۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فانی اُذن لی فی الخروج فقال ابو بکر الصحابۃ یا رسول اللّٰہ قال نعم۔ (بخاری باب الہجرت)

کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے ہجرت کی اجازت دی گئی ہے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ابوبکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپؐ کے ساتھ جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں !"

ان تمام واقعات میں اللہ تعالیٰ کے اس منشا کا پورا عکس دکھائی دیتا ہے کہ آنحضرت کے بعد حضرت ابوبکرؓ ہی آپؐ کے پہلے نائب کی حیثیت سے کام کریں گے۔
چنانچہ قرآن کریم میں اس ہجرت کے واقعہ کا یوں ذکر آیا ہے :۔

اِلّا تنصروہ فقد نصرہ اللّٰہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن اِنّ اللّٰہ معنا (سورہ توبہ آیتؔ)

کہ اگر تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو تو کوئی پرواہ نہیں) خدا تعالیٰ تو اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب اُسے کافروں نے مکہ سے نکال دیا تھا۔ اس وقت وہ دو میں سے دوسرا تھا جبکہ وہ دو تو غار میں تھے۔ اس وقت پیغمبرؐ نے اپنے ساتھی (یعنی

حضرت ابوبکرؓ) سے کہا تھا۔ فکر نہ کرو اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

پھر حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو یوں تسلی دی :۔

ما ظنّك یا ابا بکر باثنین
الله ثالثهما (بخاری باب المناقب)

کہ اے ابوبکرؓ! ایسے دو آدمیوں کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خدا ہے۔

پس خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی ویسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔

قرآن کریم میں انّ الله معنا میں جو "مع" کا لفظ آتا ہے اس سے اس حقیقت کی طرف صاف اشارہ تھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ ہی تخت خلافت کے حقدار ہیں۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی یہی امید رکھتے تھے کہ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی آپ کے جانشین اور خلیفہ ہوں گے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے :۔

عن جبیر بن مطعم ان امرأة سألت رسول الله شیئًا۔ فامرها ان ترجع الیه۔ فقالت یا رسول الله صلعم ارأیت ان جئت ولم اجدك كانها تعنی الموت۔ قال فان لم تجدینی فأتی ابا بکر۔ (بخاری و مسلم باب الفضائل)

کہ جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول خدا سے کچھ پوچھا۔ آپ نے فرمایا پھر آنا۔ وہ بولی اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں۔ اسکی مراد یہ تھی کہ شاید آپ فوت ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو مجھ کو نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آنا۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ ہی آپ کی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے۔ ورنہ آپ کبھی نہ فرماتے کہ ابوبکرؓ کے پاس آنا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی ابوبکرؓ کی خلافت سے باخبر کر دیا ہوا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ایک اور بڑی دلیل خود قرآن کریم نے آیت استخلاف میں بیان فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وعد الله الذین امنوا منكم و عملوا الصّلحت لیستخلفنّهم فی الارض ...... الخ

ماحصل آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خلیفہ بناتا چلا آیا ہے اور آئندہ بھی بناتا چلا جائیگا۔ اس آیت قرآنیہ کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ اُمت محمدیہ میں اللہ تعالےٰ ہی خلیفہ بنائیگا لہذا خلفاء راشدین میں سے جو بھی خلیفہ مقرر ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ نے ہی مقرر فرمایا۔ اب حضرت ابوبکرؓ کا سب سے پہلے خلیفہ کا مقام نہ ابوبکرؓ نے جبرًا حاصل کیا نہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ ثانی بننے کے لئے کوئی طاقت استعمال کی اور نہ عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ نے اپنی کسی ظاہری طاقت سے خلافت حاصل کی بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق ہوا کہ ابوبکرؓ خلیفہ اوّل ہوں اور عمر خلیفہ ثانی اور عثمانؓ خلیفہ ثالث اور علی خلیفہ رابع ہوں۔

اس آیت کی موجودگی میں شیعہ اصحاب کا کہنا کہ خلافت فلاں کا حق تھا اور فلاں نے غصب کر لی۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر اتہام ہے کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے میں ناکام رہا۔ شیعوں کے عقیدہ پہ "مدعی سُست اور گواہ چُست" کی مثل صادق آتی ہے۔ کیونکہ خود حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ اور ان کے ہاتھ پر برضا و رغبت بیعت کر لی تھی۔ پس جب حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا

تو اب یہ بحث محض افتراق اور اُمتِ محمدیہ میں اختلاف کا موجب ہے کہ کہا جائے کہ حضرت علیؓ خلافت بلافصل کے مستحق تھے۔ اگر وہ خلافت بلافصل کے مستحق ہوتے تو خدا تعالیٰ ضرور انہیں بلافصل خلیفہ بنا بھی دیتا۔ جیسا کہ اس نے آیت استخلاف میں وعدہ کر رکھا تھا۔

سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور شرفاء قوم میں حضرت علیؓ کو موجود نہ پایا تو آپ نے ان کے متعلق دریافت کیا۔ اس پر چند انصاری جا کر انہیں لے آئے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ اے رسولِ خدا کے چچازاد بھائی اور ان کے داماد کیا تو مسلمانوں میں افتراق کا موجب بننا چاہتا ہے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ
فبایعہ۔

کہ اے خلیفۃ الرسول سرزنش نہ کیجئے۔ اس پر حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

پھر ایسے ہی زبیر بن عوام کو لوگ بلا کر لائے یہی سوال حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کیا۔ انہوں نے بھی فرمایا۔ اے خلیفۃ الرسول سرزنش نہ کیجئے اور بیعت کر لی۔

اب شیعہ حضرات کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق صرف حضرت علیؓ کو حاصل تھا اور حضرت ابوبکرؓ معاذ اللہ غاصب تھے۔ تو کیا حضرت علیؓ پر نعوذ باللہ یہ الزام نہیں آتا کہ انہوں نے ایک حقدار کا حق چھیننے والے کی بیعت کی۔

امام مالکؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایسا ہی تھا جیسے وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی قبر کا قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے ہے۔

اشتہار

مرہم عیسیٰ

یہ الہامی مرہم حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیٰ نبینا و علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ جو خطرناک ناسوروں۔ گندی بہتی خنازیروں۔ طاعونی گلٹیوں۔ رسولیوں پرانے گندے زخموں۔ سخت ورموں۔ ہر قسم کے پھوڑے پھنسیوں۔ تر و خشک کھجلی۔ بواسیر۔ گنج۔ سخت طحال۔ آگ یا اُبلتے پانی سے جل جانے۔ ضربہ سقط سے کٹ جانے۔ سردی سے ہاتھ پاؤں کے پھٹ جانے۔ زہریلے سانپ بچھو اور دیوانہ کتے کے کاٹنے۔ اور عورتوں کی خطرناک امراض سرطان رحم۔ قروح رحم۔ ورم رحم۔ انشقاق رحم میں مسیحائی اثر دکھاتی ہے۔ آج تک کوئی مرہم اس سے بڑھ کر ایجاد نہیں ہوئی۔ ہر وقت ہر گھر میں اس کا ہونا ضروری ہے۔

قیمت فی ڈبیہ کلاں پانچ روپے۔ خورد ڈھائی روپے۔ نمونہ ایک روپیہ میں علاوہ محصولڈاک۔ تمام درخواستیں بنام ڈاکٹر مرزا نذیر حسین ۱۰ گوالمنڈی روڈ لاہور بھیجیں۔

ایک دلچسپ موازنہ

سیدنا احمد جری اللہ و جناب بہاء اللہ

الفرقُ بَیْنَ الفریقَیْنِ کالبُعْدِ بَیْنَ المشرقَیْنِ

(از جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاور)

(۱) سیدنا احمد علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بندہ اور امتی اور تابع نبی ہیں اور داعی الی اللہ الاحد ہیں۔	(۱) جناب بہاء اللہ مدعی ہیں کہ وہ کامل بندہ اور کامل خدا ہیں اور خدا کے بندوں کو اپنی عبادت کی طرف بلاتے ہیں۔
(۲) سیدنا احمد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا شارع رسول اور مطاع یقین کر کے ان کی شریعت اور رسالت کو تا بقائے نسل انسانی قائم اور دائم جان کر انکی تبلیغ کرتے ہیں	(۲) جناب بہاء اللہ خود کو شارع اور مطاع کہکر نئی شریعت "اقدس" کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ جسے ناسخ شریعت قرآنیہ قرار دیتے ہیں۔
(۳) سیدنا حضرت احمد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور عظمت کے مصدق اور مؤید ہیں۔	(۳) جناب بہاء اللہ اپنی الوہیت اور عظمت کا راگ گاتے ہیں۔
(۴) سیدنا احمد علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر الوریٰ اور افضل الرسل یقین کرتے ہیں۔	(۴) جناب بہاء اللہ اپنے آپ کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت اور فضیلت کے مدعی ہیں۔
(۵) حضرت احمد علیہ السلام اسلام کے احیاء اور تعلیم و تبلیغ کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور شریعت قرآنیہ کو قائم کرتے ہیں	(۵) جناب بہاء اللہ اسلام کے مٹانے اور شریعت قرآنیہ کی تنسیخ کے دعویدار ہیں۔
(۶) سیدنا حضرت احمد علیہ السلام قرآن کریم کو شریعت کاملہ اور دائمہ مانتے اور منواتے ہیں۔	(۶) جناب بہاء اللہ کتاب اقدس کو شریعت جدیدہ قرار دیتے اور شریعت قرآنیہ کو ناقص قرار دیتے ہیں۔

(۷) سیدنا احمد علیہ السلام خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے مذہب اسلام کو ہی واحد اور آخری ذریعہ مانتے ہیں۔	(۷) جناب بہاء اللہ مذہب بہائیت کو آخری ذریعۂ نجات ٹھہراتے ہیں۔
(۸) سیدنا احمد علیہ السلام شریعت اسلامیہ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ کو حلال یقین کرتے ہیں۔	(۸) جناب بہاء اللہ شریعتِ اسلامیہ کے حلال وحرام کے اب قائل نہیں۔
(۹) سیدنا احمد علیہ السلام لوگوں کو خواہشاتِ نفس کو شریعتِ محمدیہ کے تابع کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔	(۹) جناب بہاء اللہ لوگوں کو خواہشاتِ نفس کی آزادی کی تلقین کرتے ہیں۔
(۱۰) سیدنا احمد علیہ السلام سُود۔ جُوا۔ شراب۔ رقص وسرود۔ نامحرم مرد اور عورت کا آزادانہ میل ملاپ حرام کہتے ہیں۔	(۱۰) جناب بہاء اللہ سُود۔ جُوا۔ شراب۔ رقص وسرود اور نامحرم مرد وعورت کا آزادانہ میل ملاپ جائز جانتے ہیں۔
(۱۱) سیدنا احمد علیہ السلام نمازیں مکہ معظمہ میں واقع بیت اللہ کو قبلہ یقین کرتے ہیں	(۱۱) جناب بہاء اللہ کعبۃ اللہ کو چھوڑ کر اپنی قبر کو بہائیوں کا قبلہ ٹھہراتے ہیں۔
(۱۲) سیدنا احمد علیہ السلام لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم کہتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔	(۱۲) جناب بہاء اللہ عیسائیوں کا یسوع کو ابن اللہ اور اِلٰہ کہنا درست اور جائز جانتے ہیں۔
(۱۳) سیدنا احمد علیہ السلام کا دعویٰ ہے کہ وہ مسیح الاسلامؑ ہیں۔ یعنی خادم ومجدد مذہب اسلام ہیں۔	(۱۳) جناب بہاء اللہ کا دعویٰ ابن مسیح ہونے کا ہے جو اسلام کی تنسیخ اور تردید کی غرض سے ظاہر ہوا ہے۔
(۱۴) جماعت احمدیہ اپنے آپ کو احمدی مسلم کہتی ہے اور مسلمان ہونے کی مدعی ہے۔	(۱۴) بہائی صاحبان اپنے آپ کو مسلم نہیں کہتے بلکہ مدعی ہیں کہ ہمیں مسلمان قرار نہ دیا جائے۔

الفرقان کے خاص معاونین

گزشتہ فہرست کے بعد احباب ذیل نے خاص اعانت فرمائی ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

(۱) جناب مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا۔ — پانچ خریدار

(۲) جناب ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سرگودھا — " "

(۳) جناب منشی عبداللطیف صاحب کاتب ربوہ — " "

(مینیجر)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات

(از قلم مکرم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی)

(۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مختلف بادشاہوں کو تبلیغی خطوط روانہ فرمائے تھے۔ بصریٰ کے حاکم کے پاس حضرت حارث بن عمیر کو دعوت اسلام کا پیغام دیکر بھیجا۔ غسانیوں نے ان کو راستہ میں شہید کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے اس خون ناحق کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار کی فوج روانہ کی۔ مگر اس کا مقابلہ ایک لاکھ غسانیوں سے پڑا۔ اور رومی شہنشاہ نے بھی ایک لاکھ سپاہ بھیجکر غسانیوں کی مدد کی۔ جس کے نتیجہ میں مشہور جنگ موتہ واقع ہوئی (تاریخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی جلد اول صفحہ ۲۹۲)

اب وقت آگیا تھا کہ رومیوں کو ان کے کبر و غرور کا مزا چکھایا جائے اور حضرت حارث بن عمیر کے خونِ ناحق کا بدلہ لیا جائے۔

دوسرا سبب مسلمانوں کے روم پر حملہ آور ہونے کا یہ ہوا کہ رومی سرحد کا ایک حاکم فروہ بن عمرو والی معان نے مسلمانوں کی خوبیوں اور ان کی نیکی و تقویٰ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کر لیا۔ رومیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے فروہ کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ (سیرۃ النبی شبلی جلد دوم صفحہ ۲۰۲)

اِس زبردستی کے ظلم پر مسلمان کس طرح خاموش رہ سکتے تھے۔ بقول مولانا حالی ؎

ملک سارا چھین کر بھی ان کو چین آتا نہ تھا
اپنے اک مقتول کا جب مانگتے تھے خوں بہا

ٹھیک اسی طرح ہوا۔ ایک اکیلے فروہ کا خون ساری رومی سلطنت کی قیمت کے برابر ٹھہرا۔

مگر دونوں فوجوں کا مقابلہ بڑا ہی عجیب و غریب تھا۔ ایک طرف چالیس ہزار مسلمان تھے جن کی حالت یہ تھی کہ کسی کے پاس نیزہ ہے تو تلوار نہیں۔ تلوار ہے تو نیزہ نہیں اور دوسرے سامان کو بھی اسی پر قیاس کرو۔ ادھر دو لاکھ چالیس ہزار کا لشکر جرار ہر طرح مسلح ان کے بالمقابل صف آرا تھا۔

دو لاکھ چالیس ہزار اور صرف چالیس ہزار کا مقابلہ کیا۔ مگر خدا کے فضل سے مسلمانوں کو حیرت انگیز فتح حاصل ہوئی اور اجنادین کا سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

اِس موقع پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ایران و روم کی سلطنتیں اُس وقت نہایت کمزور ہو گئی تھیں جن پر مسلمانوں نے آسانی سے فتح پالی۔ یا مسلمانوں کی عسکری طاقت اس قدر زبردست تھی کہ کسریٰ ایران اور قیصر روم اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہ گئے۔

نہیں یہ دونوں باتیں نہیں تھیں۔ ایران اور روم کی شہنشاہیاں اُس وقت پورے عروج پر تھیں۔ بڑے وسیع رقبہ ملک پر ان کا قبضہ تھا۔

فوج ان کے پاس بکثرت تھی - آلاتِ جنگ اور سامانِ حرب کی انہیں کمی نہ تھی۔ ان کے خزانے زر و جواہرات سے اور ان کے اصطبل گھوڑوں سے بھرے ہوئے تھے۔ دولت کی فراوانی تھی اور زر و جواہر کی کثرت۔ ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے بھی دنیا کا کوئی حکمران ان کے برابر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

دوسری طرف مسلمان نہایت کمزور و نحیف تھے۔ نہ ان کے پاس کافی و وافر سامانِ حرب تھا۔ نہ معقول خچر اور اونٹ ہی ساتھ تھے۔ لڑنے والوں کی تعداد بھی بہت تھوڑی اور قطعاً ناکافی تھی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ کیا چیز تھی جس کے باعث اُن کو پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں عظیم الشان سلطنتیں پیوندِ زمین ہو گئیں - جواب صاف ہے کہ وہ صرف حرارتِ دین اور قوّتِ ایمانی تھی جس نے خدا کے فضل کے ساتھ ل کر غازیوں کو ہر میدان میں نہایت کامیابی کے ساتھ فتح مبین عطا فرمائی۔

ایران اور روم پر مزید پیش قدمی جاری ہی تھی کہ حضرت صدیق رضؓ نے ۶۳ برس کی عمر میں ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ (مطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء) کو وفات پائی اور سوا دو برس بڑی مضبوطی اور نہایت شان کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد اپنے آقا کے پہلو میں جا سوئے۔

مرتدین کی سرکوبی۔ معاندین کی پسپائی - مفسدین کی ہلاکت - جھوٹے نبیوں کا استیصال۔ اور ایران و روم پر فوج کشی کے علاوہ حضرت صدیق رضؓ کے دو زبردست اور عظیم بالشان کارنامے اور بھی ہیں۔

ایک جمع قرآن - یعنی جن جن مختلف اجزا پر قرآن کریم لکھا ہوا تھا اُن کو اسی ترتیب سے ایک لڑی میں منسلک کرنا جس طرح حضور علیہ السلام کے زمانہ میں حفاظ کے سینے میں ... تھا تا کہ ظاہر میں بھی قرآن لکھا ہوا محفوظ رہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اور جس کی نقلیں بعد میں حضرت عثمانؓ نے کروا کر بڑے بڑے ہی شہروں میں بھیجی تھیں۔

دوسرے اپنے بعد حضرت فاروق اعظم کا بحیثیت خلیفہ انتخاب۔ یہ انتخاب ایسا بہترین، اتنا اعلیٰ اور اس قدر بے نظیر ثابت ہوا کہ دُنیا حیران رہ گئی۔ ابتدائے عالم سے تا ایندم کوئی بھی انتخاب اتنا بہتر اور اس قدر شاندار ثابت نہیں ہوا۔ جیسا یہ انتخاب ہوا ✦

شذرات

(بقیہ صفحہ ...)

حضرت امیر شام کی وفات کی اطلاع پہنچی اور مدینہ طیبہ کے حاکم ولید بن عتبہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلا کر یزید کی بیعت کا تذکرہ کیا تو آپ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔"

(الفاروق جوکھرہ اگست ۱۹۵۸ء)

داغِ ہجرت

(از جناب مولوی سمیع اللہ صاحب لمبنیٰ)

خدا نے ہند میں اک گلستاں لگایا تھا بہارِ خلد میں جس باغ کو بسایا تھا
پیامِ حسنِ ازل کے رسول تھے جس میں درخت مہدیِ دوراں کے پھول تھے جس میں
طرح طرح کے گلوں سے تھی جس کی آبادی ہؤا ہے آج وہ حرماں نصیبِ آزادی

وہ آستاں کہ جبینوں سے ہم بساتے تھے
فرشتے جس کی زیارت کو آتے جاتے تھے

وہ رشکِ روضۂ جنت اجڑ گیا افسوس ہمارا بخت ہمیں سے بچھڑ گیا افسوس
وہ بزمِ ساغر و مے تاب اب یہاں نہ رہی گل و شفق کی وہ پہلی سی داستاں نہ رہی
رہا نہ اس میں وہ غازۂ رُخِ ہستی یہ ارض اب ہے اسیرانِ ہجر کی بستی

بسایا تھا جسے ذرّے سے کام لے لے کر
اجڑ گیا وہ حوادث کا نام لے لے کر

وہ دلفروز نظارہ وہ سادہ رنگ جمال بڑھا کے ہاتھ جہاں عشق کر رہا تھا سوال
وہ حسن لطفِ محبت بڑھا دیا جس نے خرد کو رازِ جنوں کا بتا دیا جس نے
وہ جس کے حسن سے محفل سجائی جاتی تھی شبِ فراق کی ظلمت مٹائی جاتی تھی

وہ تاجدارِ خلافت وہ قبلۂ عالم
امینِ رازِ امامت وہ مونس و ہمدم

وہی جو وقتِ دعا اشکبار ہوتا تھا وہ جس کی آہ پہ دل بے قرار ہوتا تھا
وہ جس کی پند کبھی رازِ غم بتاتی تھی وہ جس کی بات کبھی دل کو گدگداتی تھی
وہ جس کی یاد میں دل کو رواں دواں پایا قفس نصیب عنادل کو پرفشاں پایا

قدم قدم پہ ستاتی ہے آرزو جس کی
ابھی بھی ذوقِ نظر کو ہے جستجو جس کی

اس انقلاب کو کچھ ہم سے ہی شکایت تھی ہمیں سے دردِ جدائی کو کچھ ارادت تھی
ہمیں فسانۂ فرقت سنایا جاتا ہے ہمارا ہجر سے رشتہ بنایا جاتا ہے
ہمیں تھے مہدِ محبت سے چھوٹنے والے یہی ستارے فلک سے تھے ٹوٹنے والے

جہاں میں وقتِ حساب و کتاب آ ہی گیا
میانِ حسن و محبت حجاب آ ہی گیا

نصیبِ اہلِ وفا جو بگڑ گیا ہم سے ہمارا پیارا خلیفہ بچھڑ گیا ہم سے
چلا گیا وہ غریبوں کا غم گسار کہاں؟ بتا تو ہے وہ اسیروں کا رستگار کہاں؟
کبھی جدا نہ ہُوا تھا جو مہدِ شفقت سے وہ دل ہے آج پریشان "داغِ ہجرت" سے
مگر یہ موجِ حوادث ہمیں بجھا نہ سکی
مٹانا چاہا تھا لیکن ہمیں مٹا نہ سکی
ہماری درد میں ڈوبی ہوئی حکایت ہے یہ "خونِ دل" یہ ہماری ہی اک روایت ہے
یہ آہ رنج یہ جذباتِ غم کی ارزانی ہمارے حصہ میں آئی یہ شعلہ افشانی
یہ اضطراب مسلسل یہ ظلمتِ ہجراں یہ قلبِ سوختہ ساماں یہ دیدۂ گریاں
شکستِ جام وسبو کا اثر مٹانا ہے
پھر ان کو زیبِ چمن کے لئے بلانا ہے

(بقیہ کامیابی حاصل کرنے کے بعض اہم اصول ص ۳۲)

عام وعظ ونصیحت کے علاوہ جب تک اصلاح کے عملی طریقوں کو اختیار نہیں کیا جائیگا۔ تب تک صحیح تربیت نہیں ہوسکتی۔ خواہ یہ انفرادی ہو یا قومی۔ قانونِ شریعت کے ماتحت ہو یا قانونِ قدرت کے اگر عمومی رنگ میں اصلاح ہو جائے تو بہتر ورنہ انفرادی تربیت کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ قوم افراد سے ہی بنتی ہے۔ اور اس طرف سے بے اعتنائی اچھے نتائج پیدا نہیں کرتی

(۸) کامیابی کے لئے انفرادی اور قومی تربیت اور مشق ضروری چیزیں ہیں۔ تربیت کے صحیح ذرائع اور مشق میں دوام کے بغیر مکمل اور خاطر خواہ نتائج نہیں نکل سکتے۔

(۹) جناب چوہدری ظفر اللہ خانصاحب نے اپنی ایک تقریر میں علمی اکیڈیمی قائم کرنے کے متعلق فرمایا تھا۔ صحیح تعلیم کے لئے یہ نہایت ضروری چیز ہے۔ تا اس میں ہمارے افکار کا تجزیہ ہو سکے۔

اس کے علاوہ میرے خیال میں ایک APPLIED HUMAN LABORATORY کی بھی اشد ضرورت ہے تا اس میں میڈیکل سائنس وغیرہ کے ذریعے افعال کا تجزیہ کیا جا سکے۔ کیونکہ کئی بُرے اخلاق اور اعمال دماغی اور جسمانی بیماریوں کے نتیجہ میں صادر ہوتے ہیں۔

(۱۰) دنیا اس وقت ہر طرح سے مصائب وآلام میں گرفتار ہونیکی وجہ سے کسی عملی راہ نجات کی متلاشی ہے۔ پس ہماری جماعت (جس کو اللہ تعالے نے اس زمانہ میں دنیا کی اصلاح کے لئے قائم کیا ہے) کے سب افراد کو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیئے۔ اور اپنے عملی نمونہ سے ایسی مثال قائم کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالے کے گم گشتہ راہ بندے پھر سے اپنے مولا حقیقی کی طرف آجائیں آمین یا ارحم الراحمین ۔

عیسائیوں کے چند اعتراضات کے جوابات

(جناب گیانی واحد حسین صاحب فاضل)

پہلا اعتراض پادری کے۔ ایل ناصر صاحب اپنے رسالہ مسیحی خادم ماہ فروری ۱۹۵۸ء میں لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد (صاحب) نے اپنا الہام لکھا ہے "خاکسار پیپرمنٹ" اور یہ بھی لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ کا کلام لغو باتوں سے منزہ ہوتا ہے ص ۱۹

جواب یہ حضرت مرزا صاحب کا الہام نہیں ہے بلکہ یہ ایک کشفی نظارہ ہے۔ جس میں آپ کو ایک شیشی دکھائی گئی اس کے لیبل پر لکھا ہوا تھا "خاکسار پیپرمنٹ" یعنی آپ کو اس وقت جو بیماری تھی اس کا علاج پیپرمنٹ ہے۔ معترض صاحب کو الہام اور کشف کے فرق کا علم نہیں۔

یہ کشف حضرت حزقیل کے کشف کی طرح ہے۔ حضرت حزقیل کو کشف میں کتاب کا ایک طومار دکھایا گیا اس کے باہر بھیتر لکھا ہوا تھا۔ اور قلمبند تھا نوحہ اور ماتم اور واویلا (حزقیل ۲/۹، ۱۰ ؛ ۳/۳) پادری صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ حضرت مرزا صاحب کے اس کشف میں جس کو وہ الہام ظاہر کر رہے ہیں۔ انہیں کونسی بات لغو دکھائی دیتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے اس کشفی نظارہ میں شیشی پر "خاکسار پیپرمنٹ" لکھا ہوا تھا اور حضرت حزقیل کے کشفی نظارہ میں کتاب کے طومار پر قلمبند تھا "نوحہ ماتم واویلا" جس رنگ کا کشف حضرت مرزا صاحب کا ہے اسی رنگ کا کشف حضرت حزقیل کا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مرزا صاحب کے کشف میں پیپرمنٹ کے بولنے یا کلام کرنے کا ذکر بلکہ اشارہ تک نہیں اگر ایسا ہوتا بھی تو کوئی حرج نہ تھا۔ بائبل میں تو سانپ کا حوا سے باتیں کرنا (پیدائش ۳/۱-۵) اور حضرت بلعام کی گدھی کا انسان کی طرح باتیں کرنا مذکور ہے (گنتی ۲۲/۲۸) اس کا لغو ہونا کیوں پادری صاحب کو نظر نہیں آتا؟ ہمارے نزدیک تو خواب یا کشف قابل تعبیر ہوتا ہے۔ حضرت یوسف کو خواب آئی کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں نے انہیں سجدہ کیا اس کی بائبل میں یہ تعبیر کی گئی کہ باپ اور ماں اور بھائی انہیں جھک کر سجدہ کریں گے (پیدائش ۳۷/۹، ۱۰) گو یہ خواب بقول بائبل غلط نکلا کیونکہ حضرت یوسف کی والدہ راخل بنیمین کی پیدائش کے وقت فوت ہو ہو گئی تھی (پیدائش ۳۵/۱۸، ۱۹) اس لئے اس نے کبھی بھی حضرت یوسف کو جھک کر سجدہ نہیں کیا لیکن پھر بھی خواب کی تعبیر تو کی گئی۔

دوسرا اعتراض پادری صاحب کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو الہام ہوا "کمترین کا بیڑا غرق ہو گیا"

جواب اس کے آگے الہام کی تشریح درج ہے کہ یہ کسی کے قول کی

طرف اشارہ ہے یا شاید کمترین سے مراد کوئی شریر مخالف ہے (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۲۴) بہر حال اس الہام کا تعلق کسی مخالف سے ہے حضرت مرزا صاحب کو خدا تعالےٰ نے دینی اور دنیاوی ترقیات عطا فرمائیں آپ اپنے مشن میں کامیاب اور کامراں ہوئے۔ آپ کی زندگی کا ہر ایک پہلو بامراد ہے لیکن پادری صاحب کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ دانی ایل $\frac{9}{26}$ کی عبارت ہے کہ "مسیح قتل کیا جائیگا اور اس کا کچھ نہ رہے گا" بلفظ دیگر اس کا بیڑا غرق ہو جائے گا یہ عبارت کسی تشریح کی محتاج نہیں اس میں یسوع کی سخت نامرادی کا اظہار ہے یعنی وہ نیست و نابود ہوگا۔ اور بقول بائیبل سخت ناکامی کا بیان ہے خود جناب یسوع نے ذکریاہ $\frac{13}{7}$ کا حوالہ اپنے اوپر چسپاں کیا ہے جس میں لکھا ہے "رب الافواج فرماتا ہے۔ اے تلوار! تو میرے چرواہے یعنی اس انسان پر جو میرا ہمتا ہے بیدار ہو۔ چرواہے کو مار کہ گلہ پراگندہ ہو جائے (متی $\frac{26}{31}$) نبیوں کے نوشتے پورے ہوں اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے (متی $\frac{26}{56}$) یہوداہ اسکریوطی شاگرد نے آپ کو تیس روپیہ میں فروخت کر دیا۔ پطرس شاگرد نے آپ پر لعنت کی۔ خدا نے آپ کو چھوڑ دیا جیسا کہ ایلی ایلی لما شبقتانی سے ظاہر ہے از روئے بائیبل آپ کی زندگی ناکام اور نامرادی اور خدا کی ناراضگی اور لعنتی موت بقول عیسائیوں کے آپ کو حاصل ہوئی۔ یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ بائیبل کے مطابق یسوع کا بیڑا غرق ہو گیا (معاذ اللہ) یہی انجام تھیوداس اور یہوداہ گلیلی کا ہوا۔ جنہوں نے جناب یسوع کی بعثت کے قریب مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا تھا (مسیح کی آمد ثانی صفحہ ۲ مصنفہ پادری بوٹا مل)

تیسرا اعتراض

پادری صاحب کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنے تابعین کو مندرجہ ذیل الہام سنایا:۔

"غثم غثم غثم"

جواب

اس الہام کا آخری لفظ لَہٗ پادری صاحب نے چھوڑ کر دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس کے معنے ہیں اس کو بکدم مال دیا گیا۔ الہام کے ساتھ ترجمہ بھی لکھا ہے الفاظ یہ ہیں غَثَمَ غَثَمَ غَثَمَ لہ دفع الیہ من ماله دفعةً (تذکرہ صفحہ ۳۱۱) یعنی دیا گیا اس کو مال اس کا یکدم نیز دیکھو لغات لسان العرب و اقرب الموارد) اس کے علاوہ پادری صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ اس الہام میں کونسی بات لغو ہے۔

چوتھا اعتراض

ھُوْ شعنا نعسا۔ پادری صاحب نے اپنے اعتراض کی وضاحت نہیں کی۔ صرف الہام نقل کر دیا اور یہ نہ بتایا کہ اس الہام عبرانی زبان کا ہے ہوشعنا کا ترجمہ متی $\frac{21}{9}$ کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے "کرم کرکے نجات دے" دیکھو زبور $\frac{118}{25}$) نعساً کا ترجمہ عبرانی میں ہے قبول ہوئی اور حضرت مرزا صاحب نے خود ہی اس الہام کا ترجمہ تحریر فرما دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا "ھو شعنا نعسا" ترجمہ اے خدا میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے نجات بخش اور مشکلات سے رہائی فرما۔ ہم نے نجات دی۔ یہ دونوں فقرے عبرانی زبان میں ہیں اور یہ ایک پیشگوئی ہے جو دعا کی

صورت میں اور پھر دعا کا قبول ہونا ظاہر کیا گیا اور اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو مشکلات ہیں یعنی تنہائی بے بسی۔ ناداری۔ کسی آئندہ زمانہ میں وہ دُور کر دی جائیں گی"۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۵۳)

پانچواں اعتراض

"فی شائل مقیاس" پادری صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ اس الہام میں ان کو کونسی بات قابل اعتراض معلوم ہوتی ہے۔ صرف آپ نے الہام کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

"تصنیف براہین احمدیہ کے زمانہ میں جب کہ لوگوں کا میری طرف کچھ رجوع نہ تھا اور نہ دنیا میں شہرت تھی روپیہ کی سخت ضرورت پیش آئی اس کے لئے میں نے دعا کی تب یہ الہام ہُوا دس دن کے بعد میں موج دکھاتا ہوں الا ان نصر اللہ قریب۔ فی شائل مقیاس۔ دن ول یو گو ٹو امرتسر۔ یعنی دس دن کے بعد روپیہ ضرور آئیگا پہلے اس سے کچھ نہیں آئے گا۔ خدا کی مدد نزدیک ہے۔ اور جیسے جب جننے کے لئے اونٹنی دُم اٹھاتی ہے تب اُس کا بچہ جننا نزدیک ہوتا ہے ایسا ہی مدد الٰہی بھی قریب ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸۰)

پس حضرت مرزا صاحب کے الہامات با معنے ہیں اور لغو باتوں سے منزّہ اور پاک ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے خود ہی ترجمہ اور تشریح فرما دی ہوئی ہے۔ کاش پادری صاحب اعتراض کرنے سے پیشتر اصل کتاب پڑھنے کی تکلیف گوارا فرما لیا کریں۔ تاکہ بعد میں ندامت نہ اٹھانی پڑے۔

بائیبل میں بے معنے کلام

حضرت مسیح نے کیا خوب فرمایا:۔

"اور جب تیری آنکھ میں شہتیر ہے تو تُو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا۔ تیری آنکھ سے تنکا نکال دوں۔ اے ریاکار پہلے اپنی آنکھ سے تنکا نکال"

(متی ۷/۵)

پادری صاحب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے الہامات پر مخالفوں کی تحریروں سے اعتراضات نقل کرتے ہیں۔ لیکن ان کو بائیبل کے بے معنے الہامات نظر نہیں آتے۔ چنانچہ آپ خود ہی لکھتے ہیں:۔

"مشکیل:۔ یہ نام زبور ۳۲ و ۴۲ و ۴۴ و ۴۵ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ و ۵۵ و ۷۴ و ۷۸ و ۸۸ و ۸۹ و ۱۴۲ یعنی ۱۳ مزامیر کے شروع میں آتا ہے اس لفظ کے معنے ٹھیک معلوم نہیں

(زبور کی کتاب کا دیباچہ صفحہ ۱۳)

مکتام یہ لقب چھ مزامیر کے عنوان میں آیا ہے جس کے معنے ٹھیک طور پر ہم کو معلوم نہیں۔

(دیباچہ مذکور صفحہ ۱۳)

"بعض دیگر نام بھی آتے ہیں۔ جن کے معنے معلوم نہیں مثلاً:۔ زبور ۹ موتھ لابن۔ زبور ۲۲ ایا یلت حشن شاہر

صبح کی پچھاڑی۔ زبور ۴۵ و ۶۹ شوشانیم یعنی نرگس۔ زبور ۶۰ شوشانیم اودوت۔ سوسن۔ ایک شہادت۔ زبور ۵۶ یونت ایلم رحوکیم اِن خاموش فاختہ دور کی۔ زبور ۵۷ اَل تشحیتھ یعنی ہلاک نہ کر۔ زبور ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۷۵ بھی یہی نام آیا ہے۔ (تفسیر زبور صفحہ ۹ و صفحہ ۱۰ مصنفہ پادری جے علی بخش) (دیباچہ مذکور صفحہ ۲۴)

یہ وہ الہامی نام ہیں جن کا آج تک کسی یہودی اور عیسائی کو پتہ نہیں چلا کہ ان کے کیا معنے ہیں۔ سب سے زیادہ عجیب اور افسوسناک بات یہ ہے کہ مسیحیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا مجسم اختیار کر کے دنیا میں مسیح یسوع کی شکل میں آیا۔ اس نے بھی ان کے معنی ظاہر نہ کئے اور نہ یہ عقدہ کشائی کی۔ حضرت مرزا صاحب نے تو خود ہی اپنے الہامات کے معنے اور تشریح بیان فرما دی لیکن بائیبل کے الہامی ناموں کے معنے آج تک کسی پر نہ کھلے۔

ڈاکٹر خورشید عالم کے اعتراضات کے جوابات

مسیحی فاضل ڈاکٹر خورشید عالم صاحب نے رسالہ مسیحی خادم بابت ماہ جولائی ۱۹۵۸ء میں بعنوان "ظفر صلیب" حضرت مرزا صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کے متعلق خامہ فرسائی کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ نعوذ باللہ آپ نے اپنی کتاب مسیح ہندوستان میں جھوٹ سے کام لیا ہے اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے تین جھوٹ بتائے ہیں جو ان کی اپنی کم علمی پر دلالت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب رقم سے جواب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جواب درج ذیل ہے

حضرت مریم کا خدا قرار دیا جانا

آپ فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے اور مسیحیوں پر بے بنیاد الزام لگایا ہے کہ مسیحی لوگ یسوع کی ماں یعنی مریم صدیقہ کو بھی خدا تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایمان کسی بھی مسیحی کا نہیں اور مرزا صاحب اس الزام بے بنیاد کا کوئی ثبوت اپنے پاس نہیں رکھتے (صفحہ ۱)

حضرت مرزا صاحب کے اس بیان کا ماخذ قرآن مجید ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ عیسائیوں کا فرقہ رومن کیتھولک حضرت مریم صدیقہ کی پوجا کرتا ہے "اور بعض مسیحی فرقے مبارک مریم آسمانی ملکہ کہتے تھے اور اس کے آگے قربانیاں چڑھاتے تھے۔ اسی زمانے میں مریم کو بعض تھیوٹاکس یعنی والدہ خدا کہنے لگے قرآن مجید نے اُن کی تردید کی" (مسیحی حربہ بر تردید تعلیم مرزا غلام احمد قادیانی مصنفہ مسٹر سموایل احمد حسن) مسیحی لوگوں میں ناسٹک ازم کی وجہ سے میرلولیٹری یعنی مریم کی پرستش کا رواج ہوا (تواریخ مسیحی کلیسیا صفحہ ۱۳۶) چوتھی صدی میں مقدسہ مریم کی پرستش شروع ہو گئی اور مقدسہ مریم کا نام نماز کی کتاب میں درج ہوا (تواریخ مسیحی کلیسیا صفحہ ۲۹۹) اس کے علاوہ عیسائیوں کا فرقہ نسطاریہ مریم کو خدا یقین کرتا تھا چنانچہ پادری سلطان محمد پال پروفیسر فورمن کرسچن کالج لاہور لکھتے ہیں:۔

"انہی فرقوں میں سے ایک اور فرقہ جس کو نسطارئین Collyridians کہتے تھے یہ فرقہ مریم مقدسہ کی بیحد عزت اور تعظیم کرتا تھا۔ طرح طرح

کی قربانیاں ادا کرتے تھے جن میں سے فطیر کی قربانی بے حد مشہور ہے اس لئے اس کا نام فطاریہ پڑ گیا ان کا ذکر بزرگ ابیفانیوس نے بھی اپنی کتاب اہر طقات میں تفصیل کے ساتھ کیا ابن بطریق ان کا مریمیہ اور برابرنیہ کے نام سے یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ "خدا کے علاوہ مسیح اور اُس کی ماں خدا تھے" سورۃ المائدہ میں اس فرقے کی طرف اشارہ ہے

اتخذونی وامی الٰھین۔

(عربستان میں مسیحیت صفحہ ۱۲۶)

پس قرآن مجید اور حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں پر الزام نہیں لگایا بلکہ اظہار حقیقت کیا ہے جس کا خود مسیحیوں کو اقرار ہے

حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں

ڈاکٹر صاحب حضرت مرزا صاحب کی عبارت "کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہیں تھا۔ اور اگر زیادہ سے زیادہ کچھ ہوا تھا تو صرف بیہوشی اور غشی تھی" پیش کر کے حضرت یونس کا دعا مانگنا بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اب فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں غشی کی حالت میں تھا یا ہوش میں تھا۔ یوناہ ۲/۲ میں اپنی حالت اس طرح بیان کرتا ہے "میں نے پاتال کی تہ سے دہائی دی" اب مرزا صاحب کے مرید جواب دیں کہ کیا دہائی دینا اور غشی کی حالت نیز ہونا یکساں حالت کا نام ہے

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب ذرا غور و فکر سے کام لیتے تو اُن کو اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہوتی بے ہوشی اور دعا کے اوقات مختلف اور الگ الگ ہیں۔ حضرت یونسؑ تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

اُن کی ابتدائی حالت غشی کی نہ تھی بعد میں بے ہوشی کا طاری ہو جانا ایک لازمی امر ہے اور دعائیں ہوش کی حالت میں ہی ہو سکتی ہیں لیکن معترض حضرت مرزا صاحب پر اعتراض کرنے سے قبل بائیبل کا مطالعہ کر لیتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ اعتراض دراصل بائیبل پر وارد ہوتا ہے۔ بائیبل کہتی ہے کہ یونس نے کہا "جس وقت میرا جی مجھ میں ڈوب گیا۔ تب میں نے خداوند کو یاد کیا" (یوناہ ۲/۷) جی کا ڈوبنا غشی کا ہی نام ہے اسی غشی کی حالت میں خداوند کو یاد کرنے کی جواب طلبی تو بائیبل سے ہی کی جا سکتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت اس کے جواب کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔ بائیبل تو کہتی ہے کہ "مردے اسفل میں کانپتے ہیں" (ایوب ۲۶/۵) مردوں کا کانپنا بے ہوشی کے دعا مانگنے سے کم نہیں۔ پس حضرت یونس کا غشی کی حالت میں دعا کرنا عین بائیبل شریف کے مطابق ہے۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ یونس نے اپنی حالت اس طرح بیان کی ہے "میں نے پاتال کی تہ سے رہائی دی" یہ بھی درست نہیں کیونکہ یونس رہائی دینے والا نہ تھا۔ بلکہ رہائی پانے والا تھا رہائی دی اور رہائی پائی قابل غور ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "۔۔۔ میں پاتال کے بطن میں سے چلایا

دیوناہ ۴/۲) اس عبارت میں "رہائی دی" کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شہد کے چھتے کا ذکر اور انجیل میں تحریف

ڈاکٹر صاحب اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں "اور ان سے ایک بھونی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتہ لیا اور ان کے سامنے بھون کر کھایا یہ حوالے مرزا صاحب نے پیش کئے ہیں مرقس ۱۶/۱۴ اور لوقا ۲۴/۴۲ و ۴۳ (۲۹ و ۴۲ و ۴۳) قارئین متذکرہ بالا حوالجات بالترتیب پیش کئے جائیں تاکہ مرزا صاحب کا سفید جھوٹ سب پہ عیاں ہو۔ سب سے پہلے مرقس ۱۶/۱۴ ملاحظہ ہو اس میں مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتہ لیا اور ان کے سامنے کھایا۔ ہم قادیانیوں سے دریافت کرتے ہیں کہ شہد کا چھتہ مرزا صاحب نے کس حوالہ کی رو سے لکھدیا جس حال کہ کسی انجیل میں یہ شہد کے چھتے کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ محض مرزا صاحب کی اختراع اور ایک سفید جھوٹ ہے۔ دوسرے حوالہ لوقا میں بھنی ہوئی مچھلی کا ذکر ہے کہیں شہد کے چھتے کا ذکر تک نہیں پایا جاتا یہ مرزا صاحب کی ذاتی ایجاد ہے لہٰذا سفید جھوٹ ہے۔

جواب

حضرت مرزا صاحب نے دو حوالے مجموعی طور پر یکجا درج فرمائے ہیں مرقس ۱۶/۱۴ میں گیارہ شاگردوں کو دکھائی دینا جبکہ وہ کھانا کھا رہے تھے اور لوقا کے حوالہ میں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھانے کا ذکر ہے جو زخمی تھے اور انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ روح ہے۔ تب اس نے کہا کہ مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو اور ان سے ایک بھنی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتہ لیا اور ان کے سامنے کھایا مرقس ۱۶/۱۴ اور لوقا باب ۲۴ آیت ۳۹ اور ۴۰ اور ۴۱ (مسیح ہندوستان میں صفحہ ۱۹ و ۲۰) حضرت مرزا صاحب نے جو حوالے دئے ہیں وہ بالکل درست ہیں۔

دراصل ڈاکٹر صاحب کا یہ اعتراض ان کی انجیلی معلومات کا آئینہ ہے لیجئے جناب من! حوالہ ملاحظہ فرمائیں اور شرم سے سر جھکائیں

"تب انہوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کا چھتا اس کو دیا اس نے لے کر ان کے سامنے کھایا" لوقا ۲۴/۴۲ مطبوعہ ۱۸۹۴ء و انجیل مطبوعہ ۱۹۵۹ء

انجیل انگریزی اور عربی میں شہد کے چھتے کا ذکر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے نسخوں میں تحریف کر دی گئی ہے

انجیل نویسوں کی غلط بیانیاں

عیسائی رسالہ کے اعتراضات سے فارغ ہو کر ہم چاہتے ہیں کہ انجیلی غلط بیانیوں کے بارہ میں پادری صاحبان سے چند استفسارات کریں کیا وہ جواب دینگے؟

غلط بیانی نمبر ۱

انجیل متی ۱/۱ میں لکھا ہے "یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم کا نسب نامہ" حالانکہ یہ نسب نامہ یوسف نجار کا ہے۔ جناب مسیح تو بن باپ تھے۔ چنانچہ پادری ڈاکٹر ایچ۔ یو سٹینٹن صاحب اپنی کتاب تفسیر متی میں تسلیم کرتے ہیں کہ یہ نسب نامہ یوسف کا ہے

غلط بیانی نمبر۲ متی ۱/۱ میں ہے کہ داؤد سے سلیمان پیدا ہوا سلیمان سے رحبعام پیدا ہوا اس سے ابیاہ لیکن لوقا ۳/۳۱ میں ہے کہ داؤد سے ناتان پیدا ہوا۔ یعنی متی یوسف نجار کا خاندان سلیمان کی نسل سے بناتا ہے اور لوقا اس کو سلیمان کے بھائی ناتان کی اولاد کہتا ہے۔

غلط بیانی نمبر۳ متی ۱/۱۷ میں لکھا ہے کہ سب پشتیں ابراہام سے داؤد تک چودہ ہیں۔ داؤد سے گرفتار ہوکر بابل جانے تک چودہ پشتیں ہیں۔ بابل جانے سے مسیح تک چودہ پشتیں ہیں۔ لیکن تیسرے حصہ کی ۱۳ پشتیں ہیں حساب کریں۔ ایک پشت غائب ہے اور حساب غلط ہے

غلط بیانی نمبر۴ متی ۱/۱۲ میں ہے کہ سلیمان سے لے کر یکونیاہ تک چودہ پشتیں لکھی ہیں۔ حالانکہ ۱-تواریخ ۳/۱۰-۱۶ میں ۱۸ پشتیں ہیں۔

سلیمان ۱	آخز ۱۲
رحبعام ۲	حزقیاہ ۱۳
ابیاہ ۳	منسی ۱۴
آسا ۴	امون ۱۵
یہوسفط ۵	یوسیاہ ۱۶
یورام ۶	یہویقیم ۱۷
اخزیاہ ۷	یکونیاہ ۱۸
یوآس ۸	

میرے مسیحی بھائیو بتاؤ یہ متی نے بدیانتی کی ہے یا نہیں۔ الہامی تاریخ میں ۱۸ پشتیں ہیں اور متی الہام سے ہی ۱۴ بتاتا ہے۔ آپ بتائیں ان میں سے کونسا الہام سچا ہے۔

غلط بیانی نمبر۵ متی ۱/۱۱ میں ہے کہ یوشیاہ سے یکونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے یہ غلط اور جھوٹ ہے۔
۱-تواریخ ۳/۱۴ سے ظاہر ہے کہ یوشیاہ اپنے باپ کا اکیلا بیٹا تھا۔

غلط بیانی نمبر۶ متی ۱/۱۲ میں ہے کہ یکنیاہ سے شلتی ایل پیدا ہوا اور شلتی ایل سے زروبابل پیدا ہوا۔ لیکن یہ غلط ہے زروبابل فدایا کا بیٹا تھا (۱-تواریخ ۳/۱۹)

غلط بیانی نمبر۷ متی ۱/۱۳ زروبابل کا بیٹا ابیہود تھا۔ یہ غلط ہے الہامی تاریخ میں اس نام کا اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ (۱-تواریخ ۳/۱۹)

غلط بیانی نمبر۸ متی ۱/۱۱ میں آیا ہے کہ یوسیاہ سے یکونیاہ پیدا ہوا۔ حالانکہ یوسیاہ سے یہویقیم پیدا ہوا اس سے یکونیاہ (۱-تواریخ ۳/۱۵،۱۶) یعنی یوسیاہ کا پوتا تھا یہویقیم کا نام درمیان سے اڑا دینے کی وجہ یہ ہے کہ یرمیاہ کی کتاب میں خدا کا حکم یہ ہے کہ اس شخص یعنی یہویقیم کو بے اولاد لکھو۔ اس کی نسل سے کوئی اقبالمند نہ ہوگا کہ داؤد کے تخت پر بیٹھے (یرمیاہ ۲۲/۳۰ ۳۶/۳۰) اسی کی اولاد میں سے براستہ یوسف نجار حضرت یسوع تھے۔ اس قول خداوندی کے مطابق حضرت یسوع داؤد کے روحانی یا جسمانی تخت اور وراثت کے وارث کیسے ہو سکتے تھے اسلئے تحریف کرکے اس کا نام ہی درمیان سے حذف کر دیا ہے۔ جو صریح خیانت مجرمانہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ٭

(واحد حسین)

کامیابی حاصل کرنے کے بعض اہم اصول

(جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب پنشنر)

(۱) کسی کام کا صحیح احساس اور اس کے بجا لانے کی توفیق اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہی ملتی ہے۔ لہٰذا اسی کے حضور دعا کرنی چاہیئے۔ کہ وہ اس کام کو تقویٰ اور احسان کے ماتحت کرنے کی توفیق دے۔ بغیر اس کے کوئی کامیابی حقیقی کامیابی نہیں کہلا سکتی۔

(۲) کام کرنے سے ہی ہوتا ہے۔ کسی مشکل یا نقص کو دیکھ کر گھبرا جانا یا خاموش رہنا اور بے اعتنائی برتنا یا خام عذرات پیش کرنا چنداں مفید نہیں ہوتا۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کو پہلی فرصت میں دُور کرنے کی کوشش کی جائے اور دوسرے متعلقہ افراد کو اس بارہ میں عموماً نرمی اور حکمت سے سمجھایا جائے۔ حسب ضرورت ذمہ دار اشخاص کے پاس مناسب رنگ میں اصلاح کی خاطر اسے ظاہر کرنے سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ نیک نیتی ضروری ہے۔

(۳) جب تک تمام افراد میں یہ صلاحیت پیدا نہیں ہو جاتی کہ کام کو خود بخود دیانتداری اور آخیر وقت تک پورے انہماک سے کیا جائے۔ تب تک کمزوروں کی نگرانی کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ جہاں ذمہ دار شخص خود دیانتدار ہو اور دوسرا عملہ کمزور وہاں اصلاح میں زیادہ وقت پیش نہیں آتی۔ اس کا آسان حل یہ ہے کہ سمجھانے کے علاوہ عملہ کے لئے پروگرام کے ماتحت کام کی تعیین کر دی جائے۔ اور ذمہ دار شخص کام کی خود نگرانی کرے۔ اس طرح رفتہ رفتہ اصلاح ہو جائے گی۔ اگر پھر بھی کوئی باز نہ آئے تو اسے تنبیہ کی جائے اور سزا دی جائے۔

(۴) بعض دفعہ ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ کاموں کی ذمہ داری لے لی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بعض کام یا تو کئے ہی نہیں جا سکتے یا سب ادھورے رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک وقت میں ایک ہی کام صحیح طور پر کیا جا سکتا ہے۔ نیز ہر کام سوائے کسی ضرورت کے اپنے مقررہ وقت پر اور اس کے ضروری اصولوں کے ماتحت کیا جائے۔

(۵) بعض افراد کام میں قومی اور ذاتی تمیز کو مدنظر نہیں رکھتے۔ یہ مرض آج کل عام ہے۔ جس کے ماتحت قومی کاموں پر متعینہ اشخاص کو ذاتی کاموں پر لگا لیا جاتا ہے۔ یہ بھی ناکامی اور بددلی کا ایک موجب ہے۔

(۶) یہ صحیح ہے کہ بدظنی اور تجسس نہیں کرنا چاہیئے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ نگران حالات سے باخبر نہ ہو۔ اور نقص معلوم ہونے پر بھی خاموشی اختیار کی جائے۔ اور اسے حسن ظنی پر محمول کیا جائے۔ یہ دونوں افراط و تفریط کی راہیں ہیں۔ صحیح طریق درمیانی راستہ ہے۔ اگرچہ یہ بہت کٹھن راہ ہے۔ لیکن مومن کے لئے یہی پلصراط اور جنت کی راہ ہے۔

(۷) لوگ عام طور پر تربیت کے لئے انفرادی توجہ اور عملی اصلاح سے گھبراتے ہیں کیونکہ یہ چیز دقت طلب ہے۔ عام وعظ و نصیحت کے علاوہ

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

حضرت سیدہ اُمّ میرزا ناصر احمد رضی اللہ عنہا کی وفات

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا تعزیتی ریزولیوشن

جماعت احمدیہ کی نہایت پُروقار، خلق اللہ کی نہایت ہمدرد، طبقۂ نسواں کی نہایت دردمند رہنما، سیدہ اُمّ میرزا ناصر احمد رضی اللہ عنہا کا انتقال ۳۱ جولائی ۱۹۵۸ء کو صبح چھ بجے مری میں ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے ۶۷ سال کی عمر پائی جو سراسر تقویٰ اور پرہیزگاری میں صرف کی۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی بہو تھیں جس کے یہ معنے ہیں کہ آئندہ حمایت اسلام کے لئے ہونیوالی نسل کے لئے آپؑ کی نگاہِ انتخاب سیدہ محمودہ بیگم بنت حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب رضی اللہ عنہ پر پڑی تا وہ آپؑ کے سب سے بڑے موعود فرزند حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی زوجیت میں داخل ہوں اور اس مقدس رشتہ سے آئندہ پاکیزہ اولاد پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کے بطن سے سات فرزند اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جو سب زندہ ہیں۔ اللہ ان کی عمروں میں برکت دے۔ آمین۔ ہمارے امام ہمام ایدہ اللہ بنصرہ کے سب سے بڑے صاحبزادے میرزا ناصر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی والدہ ماجدہ ہونے کی وجہ سے ہی آپ کی کنیت اُمّ ناصر قرار پائی تھی۔

جنازہ مری سے ربوہ لایا گیا۔ ۱۸؍ اگست بروز جمعہ صبح ۸½ بجے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے ہزارہا پُرخلوص احباب کی معیت میں نماز جنازہ پڑھائی اور آپکو بہشتی مقبرہ میں حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کے مزار کے ساتھ دفن کیا گیا۔ یہ منظر کتنا پُررُعب اور پُرجلال تھا کہ لاکھوں انسانوں کے لئے سراسر رحمت سے لبریز دل جو سالہا سال اللہ کے بندوں خصوصاً کمزور عورتوں کی دلداری کرتا رہا آج منوں مٹی کے نیچے دفن کیا جا رہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ والدہ ناصر رضی اللہ عنہا کو جنّت الخُلد میں بلند درجات عطا فرمائے اور ان کی ساری اولاد کو ہمیشہ اپنے فضل و کرم کے سایہ کے نیچے رکھے اور ان مقدسوں کو اپنی ہمہ تن شفقت "امّی جان" کی امیدوں کے مطابق بنائے۔ آمین ثم آمین۔ ریزولیوشن اگلے صفحہ پر دیکھیے

البُشریٰ

عربی رسالہ جاری ہوگیا!

الحمد للہ کہ یکم جولائی ۱۹۵۸ء سے مرکز سلسلہ احمدیہ (ربوہ) سے عربی زبان کا رسالہ (فی الحال سہ ماہی) البُشریٰ جاری ہوگیا ہے۔ شائقین اپنے لئے اور اپنے زیر تبلیغ عربی جاننے والے اصحاب کے لئے اسے جاری کرائیں۔ پہلا نمبر نہایت آب و تاب سے شائع ہوا ہے۔ اسمیں نہایت اہم مضامین شائع ہوئے ہیں۔ سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے جنہیں سال پیشتر بمبئی سے ایک تقریر انگریزی میں "Why I believe in Islam" نشر فرمائی تھی۔ اس کا عربی ترجمہ بھی اس نمبر میں طبع ہوا ہے۔ علاوہ ازیں "انی تکون الاسلام نہضۃ ثانیۃ ؟" پر ایک ٹھوس مضمون ہے۔ پھر جناب قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے کے "امن عالم اور اسلام" کے عنوان سے اس مضمون کا عربی ترجمہ شائع ہوا ہے جو آپ نے مذاکرہ عالمیہ لاہور کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ مکرم مولوی محمد شریف صاحب فاضل سابق مبلغ بلاد عربیہ کا ایک عمدہ مضمون "آیات الھدیٰ" کے عنوان سے طبع ہوا ہے۔ مصر کے ایک رسالہ نے "ضرب الزوجات" کے موضوع پر علماء، ڈاکٹروں، خاوندوں اور بچوں اور بچیوں کی آراء طلب کی تھیں اور پھر انہیں شائع کیا تھا۔ یہ دلچسپ آراء بھی اس رسالہ میں منقول ہیں۔ غرض بفضلہ تعالیٰ رسالہ ہر طرح سے ظاہری و باطنی طور پر مفید اور بابرکت ہے۔ احباب کو چاہیئے کہ عربی ممالک اور دوسرے اہل علم طبقہ تک اس رسالہ کو پہنچانے کے لئے منتظمین کا ہاتھ بٹائیں۔ اللہ تعالیٰ احباب کے قلوب کو اس طرف متوجہ فرمائے۔ آمین۔

(خاکسار۔ ابو العطاء جالندھری ایڈیٹر البُشریٰ ربوہ)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ایک غیر معمولی اجلاس زیر صدارت جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب منعقد ہوا۔ ذیل کی قرارداد تعزیت بالاتفاق پاس ہوئی:۔

مجلس انصار اللہ مرکزیہ حضرت سیدہ ام ناصر احمد رضی اللہ عنہا کی وفات پر اپنے قلبی رنج کا اظہار کرتی ہے۔ سیدہ محترمہ کو سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ آپ اپنی خصوصیات کی وجہ سے تمام جماعت کیلئے عموماً اور جماعت کی خواتین کے لئے خصوصاً فی الواقع "امی جان" کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اسلئے آپ کی اندوہناک وفات پر سب افرادِ جماعت کا غمگین ہونا طبعی امر ہے۔

سیدہ موصوفہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی فخر حاصل تھا کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی بہو اور حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی حرم اول تھیں اور آپ ہمارے واجب الاحترام نائب صدر حضرت مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ اور ان کے برادران و خواہران کی والدہ ماجدہ تھیں۔ مجلس انصار اللہ مرکزیہ مرحومہ کی بلندیٔ درجات کے لئے اور ان کے صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کی بیش بہا دینی و دنیوی ترقیات کے لئے بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مقدس امام ایدہ اللہ بنصرہ کے مجروح دل کے لئے خود سامانِ راحت و تسلی پیدا فرمائے اور احبابِ جماعت کے دلوں کو بھی سکینت بخشے۔ آمین ثم آمین۔

خاکساران:۔

زین العابدین	فتح محمد سیال	مرزا عزیز احمد	ظہور احمد	قمر الدین	محبوب عالم خالد	ابو العطاء جالندھری	
رکن مجلس انصار اللہ مرکزیہ	رکن مجلس	رکن مجلس	قائد مال	قائد تربیت	قائد تعلیم	قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ	

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)